کلا انہا تذکرہ فمن شاء ذکرہ ✣ یہ ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے عبرت اندوز ہو

ماہنامہ تذکرہ کراچی

برسبیلِ تذکرہ ---------- ادارہ ---- ۱
تفسیرِ قرآن ---------- خواجہ محمد عبدالحی فاروقی ---- ۳
یعقوب علیہ السلام ---------- محمد احمد ---- ۹
جواہرِ حدیث ---------- ادارہ ---- ۱۵
مشاہیر صحابہؓ ---------- ادارہ ---- ۱۷
علمِ حدیث ---------- مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی ---- ۲۰
"تذکرہ" ---------- ابوالبیان حماد ---- ۲۹
تبلیغ رسالت کے چند مناظر ---------- عبدالسلام نعمانی ---- ۳۰
مسلمانوں کے مسلمان قاتل ---------- خواجہ راحت حسین اکبرآبادی ---- ۳۲
نور کی پیدائش ---------- علی احمد ---- ۳۳
نجمہ ---------- معراج محمد بارق ---- ۴۳

جولائی سنہ ۱۹۵۴ء قیمت: چھ آنے

مدیر

جلد ۲
شمارہ ۵
جولائی سنہ ۱۹۵۴ء
مطابق
ذیقعدہ
۱۳۷۲

ماہنامہ
تذکرہ
کراچی

قیمت
فی پرچہ، چھ آنے
سالانہ، چار روپے
خط و کتابت و ترسیل رقم کا پتہ
دفتر ماہنامہ "تذکرہ"
آرام باغ فریر روڈ
کراچی - پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بر سبیلِ تذکرہ

سورج گرہن

خداوند تعالیٰ نے اپنی قدرت و عظمت کے اظہار اور اپنی ذات ...دس کے وجود کو اپنی مخلوق پر واضح کرنے کے لئے طرح طرح کی نشانیاں ...ر آیات اِس کرۂ ارضی اور دائرۂ کائنات میں رکھی ہیں۔ اگر عقلِ بالغ ...ر قلبِ حسّاس موجود ہو تو ایسی نشانیاں اپنے خالق کا پتہ دینے کے لئے ...ا بجا اشارہ کرتی ہوئی نظر آئیں گی۔ لیکن اگر چشمِ بینا مفقود ہو تو بڑی ...ے بڑی نشانی بھی بے معنی معلوم ہوتی ہے۔

کیا یہ میووں اور پھلوں کے خوشنما رنگ، مختلف ذائقے اور ...ن کی قسما قسم کی خوشبوئیں ایک صحیح الدماغ شخص کو ایک خالق کے ...ود اور اس کی عظمت کا پتہ نہیں دیتیں؟ پھولوں کے دلفریب رنگ، ...شام افروز خوشبو، ان کے مختلف اجناس و اقسام، کیا کسی کی قدرت ...طرف اشارہ نہیں کرتیں؟ بلکہ یہی تبدیلیِ لیل و نہار، تغیّرِ موسم، ...لافِ آب و ہوا، آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پہاڑ اور ان کا طول طویل لامتناہی سلسلہ، زمین کی ہموار سطح، اور اس پر خوشنما و خوش رنگ پودے، انواع و اقسام کے حیوانات و نباتات، زمین پر رینگتے ہوئے بے شمار دریا، سرد و گرم اُبلتے ہوئے چشمے، لہلہاتے ہوئے کھیت، موجزن سمندر اور اس کی عجیب و غریب مخلوق، سورج کی درخشاں ٹکیہ، چاند کا دمکتا ہوا قمقمہ، چمکدار ستاروں کا جال اور ان سب کی ایک موزوں و مناسب گردش، ان کا طلوع و غروب ان کی جسامت و قدامت، ان کا وزن اور باہمی فاصلہ، چرخِ نیلی فام کی وسعت، خود اپنے کرۂ ناچیز کی ان سب کے سامنے حقیقت، کیا یہ سب چیزیں ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ سے دیکھنے کے قابل ہیں یا مسلسل و پیہم غور و تدبّر کے لائق؟

اگر سینہ میں دل ہو اور دل میں سمجھ تو اس روئے زمین کا ہر ذرّہ باعثِ عبرت اور قابلِ موعظت ہے۔ لیکن انسان بہت ہی لاپرواہ اور بے حس واقع ہوا ہے اگر ایک چیز ہمیشہ اُس کے سامنے آتی رہے

تو وہ اس پر غور و فکر کرنا بالکل چھوڑ دیتا ہے۔ مسلسل ظہور میں آنیوالے واقعات اس کے لئے کوئی قابلِ غور امر نہیں رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صبح کے وقت آفتاب کا طلوع اس کے لئے کوئی قابلِ وقعت چیز ہے، نہ شام کو اس کا غروب۔ نہ طلوعِ مہتاب اس کے خوابیدہ احساسات کو جگاتا ہے، نہ ظہورِ کواکب۔

اسی طرح دیگر تمام واقعات مثلاً موسمی تغیر، گرما و سرما، خزاں و بہار، بارش و لُو، اندھیرا اُجالا، سبزہ و صحرا، پیدائش و موت، دُکھ بیماری، یہ تمام چیزیں اُسے کثرت و بہتات کی وجہ سے معمولی نظر آتی ہیں حالانکہ ان پر جتنا غور کیا جائے اُتنی ہی ان کی اہمیت اور ان کے خالق کی قدرت و عظمت آشکارہ ہوتی ہے۔

انسان کی اسی فطری کمزوری کی وجہ سے خدائے دانا و بینا نے اِس کائنات میں کچھ ایسے عظیم واقعات کا سلسلہ رکھا ہے جو کچھ کچھ عرصہ بعد ظاہر ہوکر انسان کے خفتہ احساسات کو بیدار کر سکیں مثلاً "شہابِ ثاقب" کا ظہور۔ زلزلوں کا وقوع، کوہِ آتش فشاں کا پھٹ پڑنا، سورج گرہن اور چاند گرہن وغیرہ۔

ایک مرتبہ حضور صلعم کے زمانہ میں سورج گرہن واقع ہوا، اس روز اتفاق سے آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تھا۔ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ ان ہی کے انتقال کی وجہ سے ہوا ہے۔ گرہن معلوم ہوتے ہی آپ کہیں جاتے جاتے واپس لوٹ آئے اور سیدھے مسجد میں تشریف لے گئے۔ نماز کا اعلان کیا اور سب نے مل کر نمازِ کسوف اَدا کی۔ اِس کے بعد آپ نے سب کے سامنے ایک تقریر کی جس میں فرمایا کہ "یہ سورج گرہن و چاند گرہن خداوند تعالےٰ کی نشانیاں ہیں۔ ایامِ جاہلیت کے لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ سورج اور چاند اس وقت گرہن میں آتے ہیں، جب کہ دنیا کے کسی بڑے سردار کی مَوت واقع ہو جائے، لیکن ایسا نہیں، سورج اور چاند نہ تو کسی کی مَوت سے گرہن میں آتے ہیں نہ کسی کی پیدائش سے، بلکہ یہ دونوں بھی خدا کی مخلوق ہیں ان میں اللہ تعالیٰ جو تغیر چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا جب ان میں سے کوئی گرہن میں آئے تو تم خدا کے آگے جُھک پڑو۔ اور اُس وقت تک اس کے حضور میں سجدہ ریز رہو، جب تک یہ اپنی اصلی حالت پر نہ آجائیں یا خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی اور بات ظاہر نہ ہو جائے (یعنی اختتامِ شمس و قمر اور ظہورِ قیامت)۔"

اپنی تقریر میں حضورؐ نے بھی ان کو خدا کی نشانیاں بیان فرمایا ہے اور ایک لطیف سا اشارہ قیامت کی طرف بھی کیا ہے کیونکہ قیامت کچھ ایسے ہی حالات میں ظہور پذیر ہوگی۔ لہٰذا آپنے اِس موقع پر کثرت سے خدا کو یاد کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

سورج گرہن و چاند گرہن کے اثرات کے متعلق ابھی مکمل تحقیق تو نہ ہو سکی، لیکن سائنس داں اس بارے میں پوری طرح کوشاں ہیں۔ سب سے بڑی دقّت اِس سلسلے میں گرہن کے مختصر وقفہ کی وجہ سے پیش آتی ہے، ورنہ اب تک بہت کچھ معلوم ہو چکا ہوتا۔ یہ تو یقینی ہے کہ سورج، چاند اور زمین کے ایک لائن میں آنے کی وجہ سے نہ صرف ان کے توازن اور کشش میں ہیجان پیدا ہوتا ہے بلکہ دنیا کی ہر چیز ان کی اِس کیفیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتی

اِس ماہ پاکستان اور دیگر کئی ممالک میں مکمل سورج گرہن ہوا۔ دنیا کی تمام رصدگاہوں پر ہر طرف کے سائنس داں جمع تھے وہ اپنے مشاہدات و تجربات سے اِس بارے میں مزید معلومات بہم پہنچائیں گے۔ مکمل گرہن کے اتفاقات بہت کم ہوتے ہیں برصغیر میں مکمل گرہن تقریباً چالیس سال بعد پیش آیا ہے

(باقی بر صفحہ ۱۹)

تفسیر قرآن

سورۃ البقرۃ

(۱۷)

(خواجہ محمد عبدالحی۔ فاروقی)

رفعِ اشتباہ

گزشتہ آیات سے معلوم ہوگیا کہ یہودیوں کی غلامی ومحکومی
ا دائمی فیصلہ ہوچکا ہے اب یہ کبھی حکومت سے سرفراز نہ ہوں گے
ہمیشہ ماتحت ہی رہیں گے۔ اِس سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ، اگر
ن میں بعض افراد اچھے ہوں تو پھر بھی حکومت انھیں کو ملنی چاہیئے
یونکہ ذلّت ومسکنت اجتماعی حیثیت سے نازل ہوئی ہے نہ کہ،
فرادی اعتبار سے، اِس کا جواب اِس آیت میں دیا جاتا ہے کہ:

(۶۲) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا
النَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ
لْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَ
لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

(بے شک وہ لوگ جو مسلمان ہوئے اور یہودی ہوئے،
ور نصارٰے اور صابئین، جو کوئی ان میں سے اللہ پر اور پچھلے
ن پر یقین لایا اور نیک کام کیا، تو اُن کی مزدوری اُن کے رب کے
پاس ہے اور نہ اُن کو ڈر ہے اور نہ وہ غم کھائیں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اِس قسم
ے لوگ موجود تھے جو اپنے سچے دین پر قایم اور راہِ راست پر
مزن تھے۔ مگر ان کے کان آپ کی دعوت سے ناآشنا رہے،
نکہ مر گئے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ، اُن کے حق میں کیا فیصلہ
وگا؟ اِس سوال کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل
کردی، چنانچہ حسب ذیل روایت اِس کی تائید کرتی ہے:

"ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے سلمانؓ کا بہت بڑا قصہ نقل
کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سلمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے دریافت کیا کہ، ان نصارٰی کا کیا حال ہوگا
جنھوں نے دیکھا تھا کہ وہ لوگ نہایت ہی زاہدانہ
زندگی بسر کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ان کی موت کفر
پر ہوئی۔ سلمان کہتے ہیں کہ یہ سُنتے ہی مجھ پر دنیا تاریک
ہوگئی۔ میں نے ان کے ورع اور تقوے کا ذکر کیا
پس یہ آیت ان الذین اٰمنوا والذین
ھادوا الخ نازل ہوئی۔ آپؐ نے مسلمانوں کو بلاکر
کہا کہ تمھارے دوستوں کے حق میں یہ آیت نازل
ہوئی ہے پھر فرمایا کہ، جو شخص دین عیسٰی ؑ پر مرگیا اور
میری اطلاع اُسے نہیں ہوئی تو وہ حالتِ اسلام
میں مرا اور جس کے پاس میری نبوت کی خبر پہنچ گئی
اور پھر بھی وہ ایمان نہ لایا، تو ہلاک ہوگیا"

اِس شانِ نزول نے خود بتا دیا کہ اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے
ہے جو آپ کے وقت تک موجود تھے اور حق وصداقت کھو نہیں
بیٹھے تھے۔ قرآنِ حکیم کی دوسری آیتیں اسی مطلب کی تائید
کرتی ہیں۔ ایک جگہ فرمایا:

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَھُمْ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ

قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّ
اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ
اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا
عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا
مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا
جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ
الصّٰلِحِيْنَ ○ (۵: ۸۲ و ۸۳ و ۸۴)

(اور مسلمانوں کے لئے تبلیغ و دعوت کے اعتبار سے سب لوگوں میں ان کو قریب تر پاؤ گے، جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اِس لئے کہ ان میں علماء، اور مشائخ ہیں، اور نیز یہ کہ یہ لوگ تکبر نہیں کرتے اور جب قرآن کو سُنتے ہیں جو اس رسول ص پر نازل ہوا ہے تو تو ان کی آنکھوں کو دیکھتا ہے کہ ان سے آنسو جاری ہیں اِس لئے کہ انھوں نے حق بات کو پہچان لیا ہے، کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں، تو تصدیق کرنے والوں کے ساتھ ہم کو بھی لکھ رکھ، اور ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر اور حق بات جو ہمارے پاس آئی ہے اس پر تو ایمان لائیں نہیں اور توقع یہ رکھیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو نیک بندوں کے ساتھ بہشت میں لے جا کر داخل کر دے گا۔"

پھر سورۂ آل عمران کے آخر میں یوں ارشاد ہوا:

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ
مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ
لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ (۳: ۱۹۹)

(اور اہلِ کتاب میں سے بے شک کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو کتاب تم مسلمانوں پر اُتری ہے، اور جو اُن پر اُتری ہے، ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہر وقت اللہ کے آگے جُھکے رہتے ہیں اور اللہ کی آیتوں کے عوض میں تھوڑے سے دام نہیں لیتے یہی وہ لوگ ہیں جن کے اجر ان کے پروردگار کے ہاں تیار موجود ہیں۔"

پس معلوم ہو گیا کہ اس آیت میں وہی لوگ مُراد ہیں جو آپ ص کی بعثت کے وقت موجود تھے، پھر جو ایمان لے آئے وہ دنیا و آخرت میں فائز المرام ہوں گے۔ باقی رہا حکومت کا مسئلہ تو وہ بھی ضمناً سمجھ میں آ گیا کہ بعض افراد تو ہر قوم میں اچھے ہوتے ہیں لیکن ان کی وجہ سے تمام قوم کو عزّت کا مستحق نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ اس کا فیصلہ ہمیشہ اجتماعی حیثیت کو پیشِ نظر رکھ کر کیا جاتا ہے، غالباً یہ بات تو ہر ایک تسلیم کرے گا کہ ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ اربابِ صلاح و تقوٰے ضرور ہوتے ہیں، اگر چند افراد کی اچھائی یہودیوں کو حقدارِ حکومت بناتی ہے تو دوسرے مذاہب بھی اس کے دعوے دار بن سکتے ہیں، پس یہ مطالبہ ہی سرے سے غلط ہے، تم ذرا ان کی تاریخ اُٹھا کر دیکھو، ان لوگوں سے کیسی کیسی غلطیاں سرزد ہوئیں، جن میں سے بعض کا ذکر آ چکا ہے، اور کچھ آگے آتی ہیں۔ پھر بتاؤ کہ ایسی قوم کے متعلق محکمۂ تحقیق کا کیا فیصلہ ہونا چاہئے؟

قانون سے نفرت

(۶۳) وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (۶۴) ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْ

مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○

(اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا، اور تم پر پہاڑ اونچا کیا، ہم نے کہا، جو ہم نے تم کو دیا اُس کو زور سے پکڑو، اور جو اس میں ہے اُسے یاد کرتے رہو، شاید تم پناہ میں آجاؤ۔ پھر اس کے بعد تم نے روگردانی کی، پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی، تو تم زیاں کاروں میں ہوتے)۔

تمثیل

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ وہ توراۃ کے پابند رہیں گے، وہ دامنِ کوہ میں کھڑے تھے اور اپنے سامنے پہاڑ کو دیکھ رہے تھے، انھیں خیال ہوا کہ وہ اُن پر گر رہا ہے، اُس کے گرتے ہی تمام لوگ فنا ہو جائیں گے اور اُن کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا۔ اللہ تعالےٰ انھیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ جو قانون تم کو دیا گیا ہے وہی تمھارے لئے زندگی بخش ہے، اگر تم اس کو ترک کر دو گے تو مٹ جاؤ گے، اس حقیقت کو اِس مثال سے اور زیادہ واضح کر دیا کہ یہ پہاڑ تمھارے سامنے رفیع وبلند دکھائی دے رہا ہے، جب تک یہ اپنی جگہ پر قائم ہے تم زندہ ہو، جہاں تمھارے اوپر گرا اور تم پس گئے پس اسی طرح یقین کرلو کہ توراۃ کی پابندی میں زندگی ہے اور ترک میں ذلّت ورُسوائی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہاڑ ان کے سر پر بلند کر دیا گیا تھا۔ بلکہ اپنے سامنے اُس کو دیکھ رہے تھے۔ حدیث میں آتا ہے فرفعت لنا صخرۃ جس کے معنی صاحب بحار الانوار نے یہ کئے ہیں کہ ظہرت لابصارنا یعنی چٹان ہمیں نظر آنے لگی پس یہاں بھی یہی معنی مُراد ہیں کہ، وہ اپنے سامنے پہاڑ کو دیکھ رہے تھے۔

باوجود اِس قدر پکّے عہد کے ان لوگوں نے نفرت کا اظہار کیا اور کہا سمعنا وعصینا (۲: ۸۷) ایک جگہ ان کا یہ قول نقل کیا: وقالوا قلوبنا غلف (۲: ۸۲) اور کہتے ہیں ہمارے دل غلافوں میں ہیں، ہم اس نبی کی تعلیم قبول نہیں کرتے، اس عصیان اور نفرت کا نتیجہ تو یہی تھا کہ تم کو اسی وقت فنا کر دیا جاتا مگر چونکہ اس وقت کوئی دوسری قوم تبلیغ ودعوت کا فرض ادا کرنے اور دنیا میں قیامِ عدل کے لئے تیار نہ تھی، اِس لئے ہم نے تم پر اپنا فضل کیا۔ تم میں برابر مجدّدین، انبیاء بھیجتے رہے، جو تمھاری غلط کاریوں کی اصلاح کرتے، اور پھر تمھیں راہِ راست پر لے آتے۔ انبیائے مجددین کے بھیجنے کو اس آیت میں فضل و رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یہاں تک ان کے مرض "تولی" اور نفرت کا ذکر کیا۔ اگلی آیتوں میں اِس کی دو صورتیں بیان کی جاتی ہیں، کہ انھوں نے کِس کِس طرح قانونِ الٰہی سے نفرت کی۔

حیلہ سازی

(۶۵) وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْکُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَھُمْ کُوْنُوْا قِرَدَۃً خٰسِئِیْنَ (۶۶) فَجَعَلْنٰھَا نَکَالًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْھَا وَمَا خَلْفَھَا وَمَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ ○

(اور جن لوگوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن زیادتی کی، اُن کو تم جان چکے ہو۔ تو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر ذلیل، پھر ہم نے اس قصہ کو عبرت بنایا ان لوگوں کے لئے جو اس وقت شہر میں تھے اور بعد میں آنے والوں کے لئے اور پرہیزگاروں کے لئے پند و نصیحت تھی)۔

اِس واقعہ کی شرح دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان

کی گئی ہے۔

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○

(۷ : ۱۶۳)

(ان سے اُس گاؤں کا حال دریافت کرو، جو دریا کنارے واقع تھا۔ جب ان کے بڑے لگے بہت سی زیادتیاں کرنے کہ جب اُن کے سبت کا دن ہوتا تو مچھلیاں سینہ سپر ہو کر ان کے سامنے آجمع ہوتیں، اور جب ان کا سبت کا دن نہ ہوتا تو مچھلیاں ان کے پاس بھی آکر نہ پھٹکتیں۔ چونکہ یہ لوگ نافرمان تھے، ہم بھی اسی طرح ان کو مبتلائے آزمائش رکھتے)۔

بنی اسرائیل کے لئے شنبہ کا روز عبادت کے لئے مخصوص تھا لیکن شرط یہ تھی کہ اس دن کوئی کام نہ کیا جائے، جیسے اب بھی مسلمانوں کو حکم ہے کہ جب جمعہ کی اذان سُنیں تو تمام کاروبارِ دنیوی ترک کر کے فوراً مسجد میں آجائیں۔ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (۶۲ : ۹) قانون کا تقاضا یہ تھا کہ یوم السبت کو مچھلی کا شکار بھی نہ کریں، مگر مصیبت یہ تھی کہ صرف شنبہ کے روز تو مچھلی بکثرت آتی اور باقی ایام میں ایک بھی نہ ملتی۔ دریا کے کنارے پر رہتے تھے اُن کے لئے اِس سے بہتر دوسری غذا نہ تھی، حیران تھے، آخر انھیں یہ حیلہ سوجھا کہ شنبہ کے روز دریا سے فاصلہ پر گہرے گڑھے کھود لیں تاکہ پانی آسکے۔ مچھلی بھی خود بخود آجائے گی، چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ دن بھر مچھلی گڑھوں میں آتی رہتی، اور شام کو جا کر شکار کر لیتے، اس میں بہ ظاہر قانون کی صورت بھی قائم رہی اور ان کی غرض بھی حاصل ہوگئی۔

یہ اربابِ حیل کی فریب کاری تھی، جب اِس مرض کی انتہا ہوگئی اور باوجود تنبیہ و تادیب وہ لوگ باز نہ آئے، تو ان پر عذاب نازل ہوا۔ ان لوگوں کے تین گروہ تھے، ایک، وہ جو عوام الناس کو ان حیلوں کی تعلیم دیتا، دوسرا ان کی اِس مکاری پر خاموش رہتا اور تبلیغ و دعوت کا فرض ادا نہ کرتا۔ یہ دونوں گروہ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے، تیسرا فرقہ بچ گیا جو ان کے اصرار و تمرد کے باوجود وعظ و ارشاد میں برابر مصروف رہا۔ چنانچہ اس کی تفصیل دوسری جگہ آئی ہے:

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○

(۷ : ۱۶۴ و ۱۶۵)

(اور جب ان میں سے بعض لوگوں نے دوسروں سے جو سبت کے دن شکار کرنے سے منع کرتے تھے، کہا کہ جن لوگوں کو خدا ہلاک کرنا، یا ان کو سخت عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے بھلا ان کو تم بے فائدہ کیوں نصیحت کرتے ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم تو تمھارے پروردگار کی جناب میں اپنے اوپر سے الزام اتارنے کی غرض سے نصیحت کرتے ہیں اور یہ بھی خیال ہے کہ شاید یہ لوگ باز آجائیں۔ تو جب اُن لوگوں نے وہ نصیحتیں جو ان کو کی گئی تھیں بھلا دیں، تو جو لوگ بُرے کام سے منع کرتے تھے اُن کو تو ہم نے

بچالیا۔ اور جو لوگ شرارت پر اصرار کرتے رہے اُن کی نافرمانیوں کی پاداش میں ہم نے اُن کو عذابِ سخت میں مبتلا کیا)۔

جب قوم کا بیشتر حصّہ اس مرضِ خبیث کا شکار ہوگیا تو اُن کی اخلاقی حالت بھی مسخ ہوتی چلی گئی۔ ان کے اخلاق جانوروں کی طرح ہوگئے۔ وہ اگرچہ انسانوں کی صورت میں تھے، مگر اب اُن میں اور حیوانوں میں کوئی چیز مابہ الافتراق نہ رہی تھی۔ اب وہ "خیر البریہ" کی بجائے "شر البریہ" الاعمیٰ اور الذین لایعلمون تھے۔ انجامِ کار قوم کی قوم زنا کی عادی بن گئی، اور جس کی آخری کڑی یہ تھی کہ وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے، کیونکہ بعض امراض اس قسم کے ہوتے ہیں کہ انسان کی صورت مسخ ہو جاتی ہے، اور وہ بالکل جانوروں کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

جب تک انسان کی صحت عمدہ ہے، کوئی خارجی مُضر چیز اُس پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتی۔ جہاں اس کی صحت نے جواب دیا کہ چاروں طرف سے امراض کا حملہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور طبیعت اُن کو فوراً قبول کر لیتی ہے۔ یہی حال روحانی صحت و تندرستی کا ہے، جب ایک قوم بُری عادتیں قبول کرنا شروع کر دیتی ہے تو سب سے پہلے اس کے اخلاق پر اُن کا اثر نمودار ہوتا ہے اور یہ بالکل ممکن ہے کہ جن حیوانوں کے اخلاق اُس نے ابتدا میں قبول کئے تھے، انھیں کا بُرا اثر عالمِ مثال تک پہنچے پر ان کی صورتیں اخذ کر لیں، اور انجامِ کار ان کی صورتیں بھی ویسی ہی ہو جائیں، انسان اگر تنزّل کے گہرے گڑھے میں گرنا شروع ہو اور اُس سے انسانیت چھین لی جائے تو سب سے پہلے وہ بندر بنتا ہے، اس لئے کہ حیوانات میں سے انسانوں کے قریب ترین یہی جانور ہے۔

سورۂ نساء میں اہلِ کتاب کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر تم اس کتاب پر ایمان نہ لائے تو تمھارا بھی وہی حال ہوگا جو اہلِ سبت کا ہوا۔ چنانچہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ○ (۴:۴۷)

(اے اہلِ کتاب! قرآن پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل فرمایا ہے اور وہ اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو تمھارے پاس ہے، قبل اس بات کے کہ اُن کے چہرے بگاڑ کر ان کی پشت کی طرف کر دیں۔ اور وہ تنزّل کو ترقی خیال کرنے لگ جائیں۔ یا جس طرح ہم نے اصحاب السبت کو ٹھکار دیا تھا، ان کو بھی ٹھکار دیں اور جو خدا کو منظور ہے وہ ہو کر رہے گا)۔

قانون ترک کرنے کی ایک صورت تو یہ تھی کہ حیلہ جوئی سے کام لیا، اس کی ظاہری شکل بھی قائم رہی، دیکھنے والا اعتراض بھی نہیں کر سکتا اور اپنا مطلب بھی نکل آیا۔ اب اس کے چھوڑنے کی دوسری صورت بیان کی جاتی ہے۔

باریک بینی

جب قانون پر عمل کرنا منظور نہ ہو تو اس میں فلسفیانہ موشگافیوں سے کام لیا جاتا ہے، بال کی کھال نکالی جاتی ہے، اور مقصد یہی ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس سے نجات مل جائے سوالات کثرت سے کئے جاتے ہیں، باتیں بہت سی پوچھی جاتی ہیں، فرضی صورتیں پیش کرتے ہیں اور ان تمام کا ماحصل ترکِ قانون کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو:

(۶۷) وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ

اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ
بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝ (۶۸) قَالُوا ادْعُ
لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ
لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَیْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا
مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝ (۶۹) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ
لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ
فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ ۝ (۷۰) قَالُوا ادْعُ
لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیْنَا ؕ
وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝ (۷۱) قَالَ
اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ
وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیْهَا ؕ
قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا
یَفْعَلُوْنَ ۝

(اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا، اللہ تم کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ بولے کیا تو ہم سے استہزا کرتا ہے؟ انھوں نے کہا اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادانوں میں سے ہو جاؤں، بولے اپنے رب کو ہمارے لئے پکار کہ ہمیں بتا دے وہ گائے کیسی ہے، کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بن بیاہی، اُن کے درمیان ہے۔ پس جو حکم تم کو ملا ہے اس کو کرو۔ بولے اپنے رب کو ہمارے واسطے پکار، ہمیں بتا دے کہ اُس کا رنگ کیسا ہے۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ زرد رنگ والی گائے ہے دیکھنے والوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے بولے ہمارے لئے اپنے رب کو پکار کہ وہ بتا دے کہ وہ کس قسم کی ہے کیونکہ ہم کو گایوں میں شبہ پڑ گیا ہے اور اللہ نے چاہا تو ہم راہ پائیں گے۔ کہا وہ فرماتا ہے، وہ محنت والی گائے نہیں کہ اس کو زمین میں جوتتے ہو یا کھیت کو پانی دیتے ہو بدن ٹھیک ہے اس میں داغ وغیرہ کچھ نہیں۔ بولے اب ٹھیک بات بیان کی، پھر اس کو ذبح کیا اور کوئی صورت نہ تھی کہ ذبح کرتے)

اگر وہ لوگ حضرت موسیٰؑ کا حکم سُنتے ہی گائے ذبح کر دیتے تو انھیں اتنی تکالیف برداشت کرنے کی نوبت ہی نہ آتی، مگر ان کی نیت نہ تھی، اس لئے کثرت سوال سے موسیٰؑ کو تنگ کر دیا پس خود تنگی میں مبتلا ہو گئے۔ قاعدہ ہے کہ قانون اپنی ابتدائی شکل میں بہت سادہ اور سہل ہوتا ہے۔ مگر جوں جوں آپ سوالات کرتے جائیں گے، قیود اور پابندیاں بڑھتی جائیں گی، اور اس کا دائرہ تنگ ہوتا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انھیں بار بار کہتے ہیں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ میرا حکم بغیر کسی مصلحت کے نہیں، بلکہ اس میں بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔ مگر وہ اپنی کٹ حجتی سے کیوں باز آنے لگے، اِس لئے نتیجہ بھی دیکھ لیا۔

(صفحہ ۳۲ کا بقایا مضمون): (۵) جس مسلمان نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اُٹھائے، وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے (بخاری)

قرآنِ کریم نے مسلمان کے قتل کے لئے جو وعید فرمائی وہ کسی اور معصیت کے لئے نہیں فرمائی۔ یعنی "خلود فی النّار"، اور "غضب الٰہی" اور "لعنت"

بڑی ضرورت ہے کہ مشرقی بنگال میں ان احکامِ اسلامی کی، ریڈیو اور دیگر ذرائع سے نشر و اشاعت کی جائے، تاکہ مسلمانوں کے مسلمان قاتلوں کو معلوم ہو کہ مذہباً اُن کا یہ فعل کیسا تھا؟

فمن اهتدى فانّما يهتدى لنفسه۔

قصص القرآن

یعقوب علیہ السلام

(محمد احمد)

(یعقوب علیہ السلام کا قصہ قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ مذکور نہیں ہے۔ ہم نے اس ضمن میں کتب تاریخ و تفسیر سے مدد لی ہے)

حضرت یعقوبؑ کی شکایت

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار حضرت اسحاقؑ[۱] کے پاس آئے۔ حضرت اسحاقؑ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ بدن میں گوشت برائے نام رہ گیا تھا اور کمر دہری ہو چکی تھی۔ انھوں نے باپ سے کہا:

ابا جان! میں آپ سے اپنے بھائی عیصو کی شکایت کرتا ہوں، انھوں نے مجھے ڈرایا دھمکایا ہے۔ اُن کے خلاف آپ کی مدد کا طالب ہوں، جب سے آپ نے مجھے شفقت کی نظر سے دیکھا ہے اور میرے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی ہے۔ پاکیزہ نسل، موروثی ملک اور نعمت و راحت کی پیشین گوئی کی ہے۔ وہ آپ کی ان دعاؤں کی بدولت جو آپ نے میرے حق میں فرمائی ہیں، مجھ سے جلنے لگے ہیں۔ میرے لئے آپ کی نیک تمنائیں ان کی دشمنی کا باعث ہو گئی ہیں۔ آپ نے مجھ میں جو علامت مشاہدہ فرمائی ہے اس سے انکار کرتے ہیں، ترش کلامی سے پیش آتے ہیں اور جلی کٹی سُنا کر میرے دل کو مجروح کرتے رہتے ہیں انھوں نے مجھے ڈرانے اور دھمکانے کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔ حد ہو گئی ہے کہ اب میرے اور ان کے درمیان محبت منقطع ہو چکی ہے اور انھوں نے قرابت کے اس رشتہ کو جو ہم دونوں کو ملائے ہوئے تھا، کاٹ کر رکھ دیا ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر وہ یہ ظلم کرتے ہیں کہ وہ اپنی ان دونوں بیویوں کا ذکر کرتے ہیں، جن کو قبیلۂ کنعان سے بیاہ لائے ہیں اور ان کے نام لے کر میرے مقابلے میں اتراتے اور فخر کرتے ہیں انھیں اپنی جس اولاد کے پیدا ہونے کا انتظار ہے، اُس پر ناز ہے اور کہتے ہیں ان کی اولاد میری روزی تنگ کر دے گی اور زندگی میں اپنے مددگاروں کے ذریعہ مجھ پر ہجوم کرے گی۔ میں نے اُن کی یہ شکایت اس غرض سے کی ہے کہ آپ کو اللہ نے جو عقل و رائے اور حلم و صبر کی صفات عطا فرمائی ہیں ان سے کام لے کر میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔

حضرت اسحاقؑ کا جواب

دونوں بھائیوں کے درمیان نفرت و عداوت کی جو خلیج پیدا ہو گئی تھی، حضرت اسحاقؑ اسے دیکھ کر بہت غمگین تھے، انھوں نے حضرت یعقوبؑ کی اس شکایت کے جواب میں کہا:

بیٹا! تم دیکھتے ہو میرے بال سفید ہو چکے ہیں، پیشانی پر جھریاں پڑ گئی ہیں اور کمر دہری ہو چکی ہے، بوڑھا معذور

---

[۱] ابن قتیبہ کتاب المعارف میں کہتے ہیں کہ "حضرت اسحاق علیہ السلام نے رفقا بنت ناحور سے شادی کی تھی جو اُن کی چچا کی لڑکی تھیں۔ اُن سے دو جڑواں بچے ہوئے، جن کے نام عیصو اور یعقوب تھے۔ ۱۲

ہو گیا ہوں، قوت نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ زمانے نے کوچ کے دور لے پر لا بٹھایا ہے، قریب ہے کہ موت آپہنچے اور میرے اور زندگی کے درمیان جو رشتہ موجود ہے منقطع ہو جائے۔ اپنے بعد مجھے اس فکر سے امن ملتا نظر نہیں آتا کہ میری آنکھیں بند ہوتے ہی تمہارا بھائی کھلے بندوں تم سے دشمنی کرنے لگے گا اور علانیہ عداوت سے پیش آئے گا۔ وہ جسمانی طاقت میں بڑھا ہوا ہے اور ذاتی قوت کے علاوہ اُسے اپنے سسرال والوں کی حمایت بھی حاصل ہے۔

ماموں کی لڑکی سے شادی کا مشورہ

میری رائے میں تو اب یہی مناسب ہے کہ تم سرزمین عراق میں آرام کے کھیتوں کی راہ لو، جہاں تمہارے ماموں لابان بن بتویل موجود ہیں۔ ان کی کسی لڑکی سے شادی کر لینا۔ اس طرح تمہیں عزت و شرف اور طاقت و قوت حاصل ہوگی۔ جب یہ چیزیں حاصل ہو جائیں تو ان کے بعد پھر اس سرزمین کی طرف لوٹ آنا۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنے بھائی سے زیادہ آرام کی زندگی گزارو گے تمہاری نسل و اولاد اس کی نسل اور اولاد سے زیادہ پاکیزہ ہوگی، اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے اور تم پر مہربان رہے۔

والدین کو "الوداع"

باپ کے ان الفاظ نے نوجوان یعقوب علیہ السلام کے دل پر وہ کام کیا جو کسی گرم مزاج شخص کے دل پر ٹھنڈا اور لطیف شربت بھی نہ کرتا۔ انھیں قلب میں سکون اور روح میں اطمینان اور فرحت محسوس ہوئی۔ ساتھ ہی اُن کے دل میں آبائی وطن کی محبت نے جوش مارا، تاہم انھوں نے جذبات پر قابو پایا اور آنکھوں میں گرم گرم آنسوؤں کے ساتھ ماں باپ سے رخصت ہوئے۔ دونوں نے خیر و برکت کی پاکیزہ دعائیں دے کر بیٹے کو خیر باد کہا۔

اب یعقوبؑ رات دن سفر کرتے اور صحرا کو عبور کرتے چلے جا رہے تھے۔ کبھی راستے میں ٹیلے ملتے، کبھی نشیب اور گڑھوں سے سابقہ پڑتا۔ ماموں سے ملاقات ان کا نصب العین تھا اور شفیق باپ کے محبت آمیز الفاظ کانوں میں گونج رہے تھے۔ آنکھوں میں آئندہ سعادت و خوش حالی کا نقشہ کھنچا ہوا تھا۔ اللہ کی عنایت ان کے ساتھ تھی۔

چلتے چلتے جب تھکنے لگتے تو خوش گوار امید دل اور آئندہ راحتوں کو یاد کرتے جس سے راستے کی صعوبت آسان ہو جاتی اور پھر خوش خوش قدم بڑھانے لگتے۔

راستے کی حوصلہ شکن دشواری

اس درمیان میں ایک دن ایسا بھی آیا جب بڑی تیز او شدید آندھیاں چلنے لگیں، گرم گرم ریت کے طوفان اُٹھے سورج نے اپنی جھلستی ہوئی کرنوں کے تیر زمین پر تاک تاک کر مارے، ان حالات میں سفر کرنا دشوار ہو گیا۔ ادھر منزل اب بھی بہت دور نظر آئی۔ سامنے کی طرف دیکھا تو حدِ نظر تک لق و دق صحرا اور ریت ہی ریت پھیلی ہوئی تھی جس میں نہ کوئی ٹیلہ نظر آتا تھا نہ کوئی او نشان۔ ان وجوہ سے حضرت یعقوبؑ کی ہمت جواب دینے لگی بُری طرح تکان غالب آئی اور اب وہ اس سوچ میں پڑ گئے کہ س جاری رکھیں اور ان مشکلات پر غلبہ پا کر دل کی مراد حاصل کر یا اُلٹے قدموں واپس ہو کر آرام و راحت کو غنیمت جانیں

کامیابی کی بشارت

وہ ابھی کوئی فیصلہ نہ کرنے پائے تھے کہ ایک چٹان نظ پڑی جس کے نیچے سایہ تھا۔ آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑ تاکہ تھوڑی دیر سستا کر آرام کر لیں۔ چٹان کا سہارا دے

ذرا لیٹے کہ نیند آگئی ایک فرحت بخش خواب دیکھا جس میں معلوم ہوا کہ انھیں بشارت دی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں عنقریب راحت کی زندگی عطا کرے گا، وسیع ملک مرحمت کرے گا۔ اور مبارک و پاکیزہ اولاد دے گا جو زمین کی وارث بنے گی اور اللہ انھیں کتاب کا علم سکھا دے گا۔

خوشی سے آنکھیں کھل گئیں، اب جو بیدار ہوئے تو ذہن بالکل صاف اور روشن تھا۔ تکان اور بیزاری کا نام تک نہ تھا کامیابی کی امید دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی، باپ کی پیشین گوئی کی تصدیق ہوتی نظر آئی، طبیعت باغ باغ ہوئی جارہی تھی۔ جلد جلد قدم بڑھانے لگے اور ایک تازہ عزم کے ساتھ منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

منزلِ مقصود پر

زمین کی طنابیں کھنچتی گئیں، منزلیں طے ہوتی رہیں۔ کئی دن گزرنے کے بعد آخر آبادی کے آثار نظر آئے، ڈھارس بندھی اور یہ خیال کر کے اطمینان ہوا کہ یہی مقام شیخ لابان کا وطن ہوگا تیزی کے ساتھ قدم بڑھائے اور اس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ جو کچھ خیال کیا تھا، غلط نہ نکلا یہی منزل منزلِ مقصود تھی۔

اب کیا تھا ساری تکان دور ہوگئی، آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور نصیب ہوا۔ ساری کوفت اور بیزاری کافور ہوگئی اتنے روز سے جس آرام کو ترسے ہوئے تھے، پھر میسر ہوتا معلوم ہوا۔ گاؤں کی بکریوں کے ریوڑ، پرندوں کے جھنڈ اور درختوں کی قطاریں نظر آنے لگیں، ساتھ ہی چرواہوں کو گنگناتے اور بچوں کو گاتے اور خوشیاں مناتے ہوئے دیکھا۔ اب صحرا سے نجات مل چکی تھی اور وہ سرزمین قدموں کے نیچے تھی، جس میں ابراہیمؑ کی رسالت وجود میں آئی اور پروان چڑھی۔ یہی ان کے ماموں کی زمین تھی جس کی امیدیں اتنے صحرا اور ریگستان قطع کیے تھے حضرت یعقوبؑ نے خدا کی نعمت پر سجدۂ شکر ادا کیا اور اس کی توفیق و ہدایت کا اعتراف کرتے ہوئے حمد و ثنا میں مصروف ہوئے

ماموں سے ملاقات

اِس مقام پر یعقوب علیہ السلام ایک اجنبی مسافر کی طرح پہنچ کر لوگوں سے نرمی کے ساتھ پوچھتے ہیں:

"کیا آپ لوگوں میں سے کوئی لابان بن تویل کو پہچانتا ہے؟"

لوگ جواب دیتے ہیں:

"پیغمبر خدا اسحاقؑ کے سالے لابان کو کون نہیں جانتا؟ وہ اپنے گھرانے کے سردار اور قوم کے بہادر ہیں اور ان گنگر یلے راستوں پر چلنے پھرنے والے ریوڑوں کے مالک ہیں"

یعقوب علیہ السلام پھر پوچھتے ہیں:

"کوئی ایسا ہے جو مجھے ان کے گھر کا راستہ بتا دے؟"

لوگوں نے کہا:

"وہ دیکھو، ان کی بیٹی راحیل بکریوں کے پیچھے دوڑتی چلی آرہی ہے"

یعقوبؑ نے مڑ کر دیکھا تو سامنے ایک حسین لڑکی کھڑی تھی جس کا ڈیل ڈول کمالِ حسن و خوشنمائی کا نمونہ تھا اور چہرے مہرے میں غضب کی کشش تھی۔ اُسے دیکھ کر ان کے دل میں اضطراب پیدا ہوا اور ایسا محسوس ہوا جیسے زبان میں گرہ لگ گئی ہو چاہنے کے باوجود بات کرنا مشکل معلوم ہوا۔ پھر بھی انھوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور عقل و حواس کو قابو میں رکھ کر اس لڑکی کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھے:

"ہمارے تمہارے درمیان قریبی رشتہ داری اور مضبوط قرابت ہے۔ میں بھی اسی خاندان سے ہوں جس کی تم ہو۔ میں ہوں اسحاقؑ پیغمبر کا بیٹا یعقوب۔ تمہارے دادا بتوئیل کی بیٹی رفقہ میری ماں ہیں۔ میں سرزمین کنعان سے اس صحرا کی اتنی طویل اور خستہ کر دینے والی مسافت طے کرتا ہوا، اور ایک کام سے لابان ماموں سے ملنے کے لئے ان تمام صعوبتوں کو برداشت کرتا ہوا چلا آرہا ہوں"

راحیل نے نگاہیں نیچی کر کے شریفانہ انداز سے یعقوبؑ کا خیر مقدم کیا اور اپنے گھر لے چلیں۔

جب یعقوبؑ راحیل کے ساتھ جا رہے تھے، انھیں ایک طرح کی بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ایک خلفشار میں مبتلا تھے سوچ رہے تھے کہ کیا یہ حالت اِس لڑکی کو دیکھ کر ہو گئی ہے، جو اُن کی تمناؤں کی تکمیل اور باپ کی پیشین گوئی کی تصدیق کا وسیلہ بن سکتی ہے اور جس کے ذریعہ صحرا میں دیکھے ہوئے خواب کی تعبیر پوری ہو سکتی ہے؟ یا یہ وہی کیفیت ہے جو کسی اہم معاملہ سے دو چار ہونے والے اجنبی مسافر کو پیش آتی ہے؟ بہرحال خواہ کچھ بھی ہو، یعقوب علیہ السلام نے اپنے دل کو قابو میں رکھا، اور اطمینان سے قدم اُٹھاتے ہوئے راحیل کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ اپنے ماموں لابان سے ملے، جنھوں نے اُن کو دیکھتے ہی معانقہ کیا، دیر تک سینے سے لگائے رہے۔ اس وقت اُن کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلک رہے تھے۔ اِس کے بعد انھوں نے یعقوب علیہ السلام کو شایانِ شان مقام پر ٹھہرایا اور عزت کے ساتھ مہمان بنایا۔

شادی کی درخواست

موقع آنے پر حضرت یعقوبؑ نے وہ پیام ماموں کو پہنچایا۔ جو اُن کے والد بزرگوار نے ان کے ذریعہ بھیجا تھا۔ وہ راحیل کو دیکھ کر اپنے دل میں جگہ دے ہی چکے تھے اور یہ امید کر رہے تھے کہ آئندہ یہی لڑکی اُن کی بیوی بن جائے گی، اس کا اظہار بھی انھوں نے ماموں سے کر دیا اور جواب کے امیدوار ہوئے۔ لابان نے کہا: بڑی خوشی کی بات ہے میں تمہاری درخواست منظور کرتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ تم میرے پاس سات برس تک رہو اور میری بکریاں چراتے رہو تاکہ اس طرح شادی کا مہر ادا ہو جائے۔ اس پوری مدت میں تم میری سرپرستی میں اور میری حمایت و شفقت کے سائے میں بسر کرو گے۔

یعقوبؑ نے یہ شرط منظور کر لی اور بکریاں چرانے لگے یہ زمانہ ان کے لئے بہت خوش گوار تھا اور دل کامیابی کی امید سے باغ باغ رہتا تھا۔

لابان کی دو لڑکیاں تھیں، راحیل اور لیّا۔ لیّا عمر میں راحیل سے بڑی تھی۔ یہ بھی خوبصورتی اور خدوخال کی خوشنمائی میں راحیل کے قریب قریب ہی تھی۔ شیخ لابان کا ارادہ نہ تھا کہ بڑی کو چھوڑ کر پہلے چھوٹی لڑکی کو بیاہے۔ ان کی قوم کا رواج بھی اِس کی اجازت نہ دیتا تھا۔ مگر ان کے دل نے یہ نہ چاہا کہ ایسی حالت میں کہ یعقوبؑ راحیل سے امیدیں وابستہ کر چکے ہیں، انھیں راحیل سے دور رکھیں۔ انھیں اِس پریشانی اور الجھن سے نکلنے کی یہی صورت نظر آئی کہ یہ دونوں لڑکیاں ایک ساتھ نوجوان یعقوب کے نکاح میں دیدیں، کیونکہ وہ اس کے اہل ہیں۔ اس زمانہ میں جو شریعت رائج تھی، اس کے مطابق دو حقیقی بہنیں ایک ساتھ

ایک مرد کو بیاہی جا سکتی تھیں۔

حضرت یعقوبؑ نے شرط کے مطابق یہ مدت پوری کر دی اور وہ وقت آیا کہ اپنی بیوی کو رخصت کرا کے اپنا گھر آباد کریں، تو انھوں نے لابان سے مطالبہ کیا کہ، اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کریں، کیونکہ مقررہ شرط پوری ہو چکی ہے۔

لابان نے جواب دیا:

"باپ کا دل اور اِس شہر کی شریعت دونوں اِس بات سے انکار کرتے ہیں کہ میں بڑی سے پہلے چھوٹی کی شادی تم سے کر دوں، یہ میری لڑکی لیاؔ حاضر ہے۔ اگرچہ راحیل حسن میں اُس سے بڑھی ہوئی ہے مگر عقل و ہوشیاری میں یہ راحیل کے برابر ہے۔ تم نے جو مہر ادا کیا ہے اُس میں لیاؔ کو اپنی بیوی بنا کر لے جاؤ اور اگر راحیل کو بھی چاہتے ہو، تو میرے پاس سات سال تک اور بکریاں چراؤ۔ اِس طرح دوسری بیوی کا مہر بھی ادا ہو جائے گا اس وقت راحیل کو بھی اپنے نکاح میں لے آنا۔

حضرت یعقوبؑ کی رضامندی

یعقوبؑ خدا کے برگزیدہ رسول تھے، وہ اپنے ماموں کی حاجت پوری کئے بغیر کیسے رہ سکتے تھے، پھر ماموں بھی وہ جو بڑی محبت سے انھیں مہمان رکھ چکا تھا۔ اُن پر اس کے اتنے احسانات تھے اور جس نے اپنی بیٹی تک دینا منظور کر لیا تھا، یہ ان کی خواہش کیسے پوری نہ کرتے۔ لہٰذا انھوں نے لابان کی عائد کردہ شرط منظور کر لی اور لیاؔ کو زوجیت میں داخل کر لیا۔ پھر سات برس تک ماموں کی بکریاں اور چراتے رہے اور یہ مدت پوری کر کے راحیل کا مہر بھی ادا کیا۔ اِس طرح راحیل بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجیت میں آگئیں۔

دونوں بیویوں کی لونڈیاں

لابان نے اپنی ہر بیٹی کو ایک ایک لونڈی دی تھی جو اُن کی خدمت کرتی اور اُن کا سب کام کاج کرتی۔ لیکن دونوں بیٹیوں نے یعقوب علیہ السلام سے محبت کی وجہ سے یہ لونڈیاں شوہر ہی کو دیدیں تاکہ شوہر کے دل میں اور جگہ پیدا کر سکیں۔

ان دونوں کنیزوں اور لیاؔ و راحیل سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے، جنھیں اسباط[1] کہتے ہیں۔

[1] اسباط کے نام یہ ہیں: راوبین[1]۔ شمعون[2]۔ لاوی[3]۔ یہودا[4]۔ یساکر[5]۔ زبولون[6] (یہ سب لیاؔ کے بطن سے ہوئے) یوسف[7]۔ بنیامین[8] (راحیل سے ہوئے) دان[9]۔ نفتالی[10] (بلہہ کنیز راحیل سے) جاد[11]۔ آشیر[12] (زلفہ کنیز لیاؔ سے) یہ سب فدّان آرام (آرام کے کھیت) میں پیدا ہوئے تھے۔ صرف بنیامین سرزمین کنعان میں پیدا ہوئے۔ ۱۲

جواہر حدیث

(ادارہ)

آداب کلام

رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ خَيْرًا فَغَنِمَ، أَوْ سَكَتَ عَنْ سُوْءٍ فَسَلِمَ۔

(ابن المبارک عن خالد بن ابی عمران مُرسلاً)

(۱) اللہ تعالیٰ نے اُس شخص پر رحم فرمادیا۔ جس نے اچھی بات منہ سے نکالی اِس لئے کہ اس نے اچھی بات کہہ کر مفت میں ثواب حاصل کرلیا۔ اور اللہ نے اُس شخص پر بھی رحم فرمادیا جو بُری بات سے خاموش رہا اس لئے کہ اس نے خاموشی اختیار کرکے خود کو محفوظ کرلیا۔

حُسنِ سلوک

رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ، سَمْحًا إِذَا اشْتَرٰى، سَمْحًا إِذَا قَضٰى، سَمْحًا إِذَا اقْتَضٰى۔

(بخاری۔ ابن ماجہ)

(۲) اللہ تعالیٰ نے اُس شخص پر رحم فرمادیا جس نے خرید و فروخت میں اور قرض کی ادائی اور قرض حاصل کرنے میں خندہ پیشانی اور سخاوت سے کام لیا۔

ناقابل گرفت

رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الْمُبْتَلٰى حَتّٰى يَبْرَأَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَكْبُرَ۔

(مسند احمد۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ مستدرک حاکم)۔

(۳) تین آدمیوں سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ ایک سونے والا جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو۔ دوسرے مصیبت زدہ جب تک کہ وہ مصیبت سے نجات نہ پائے۔ تیسرے بچہ جب تک وہ بڑا (جوان) نہ ہو۔

باہم ملاقات

زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا۔

(طبرانی فی الاوسط۔ شعب الایمان للبیہقی)

(۴) ملاقات وقفہ دے کر کیا کرو، تاکہ محبت میں زیادتی ہو۔

اچھے بُرے اشعار

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشِّعْرِ فَقَالَ هُوَ كَلَامٌ حَسَنُهُ حَسَنٌ وَقَبِيحُهُ قَبِيحٌ۔

(مسند ابویعلیٰ)

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ تو کلام ہے اس میں جو اچھا کلام ہے وہ اچھا ہے اور جو بُرا کلام ہے وہ بُرا ہے۔

ساقی کی باری

سَاقِي الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

(۶) پانی یا شربت پلانے والے کو خود سب سے آخر میں پینا چاہیے۔

باقیات صالحات

سَبْعٌ يَجْرِي لِلْعَبْدِ أَجْرُهُنَّ وَهُوَ فِي قَبْرِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ: مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا، أَوْ أَجْرٰى نَهْرًا، أَوْ حَفَرَ بِئْرًا، أَوْ غَرَسَ نَخْلًا، أَوْ بَنٰى مَسْجِدًا أَوْ وَرَّثَ مُصْحَفًا، أَوْ تَرَكَ وَلَدًا يَسْتَغْفِرُ لَهٗ۔

(مسند بزار)

(۷) سات چیزیں ایسی ہیں جن کا ثواب انسان کو مرنے کے بعد قبر میں بھی برابر پہنچتا رہتا ہے ۱۔کسی کو علم سکھانا ۲۔نہر کھدوانا ۳۔کنواں کھدوانا ۴۔کھجور کا درخت لگانا ۵۔مسجد بنانا ۶۔اپنے ورثہ میں کتب کا ذخیرہ چھوڑنا ۷۔صالح اولاد چھوڑنا۔

سات خوش نصیب

سَبْعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظِلِّہٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ، اِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِیْ عِبَادَۃِ اللّٰہِ، وَرَجُلٌ قَلْبُہٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْہُ حَتّٰی یَعُوْدَ اِلَیْہِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰہِ، فَاجْتَمَعَا عَلٰی ذٰلِکَ وَافْتَرَقَا عَلَیْہِ وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰہَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ، وَرَجُلٌ دَعَتْہُ امْرَأَۃٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ: اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَۃٍ فَاَخْفَاھَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُہٗ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُہٗ۔

(ترمذی۔ مسند امام احمد بخاری مسلم۔ نسائی)۔

(۸) سات اشخاص ایسے ہیں جن پر اللہ تعالےٰ اپنا سایۂ رحمت اس وقت (یعنی قیامت کے دن) فرمائے گا جس وقت اُس کے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ اؔمام عادل ۲ؔ ایسا جوان جو اللہ کی عبادت میں جوان ہوا۔ ۳ؔ وہ آدمی جس کا قلب مسجد سے نکلتے وقت مسجد کی طرف اُس وقت تک متوجہ رہے جب تک وہ دوبارہ مسجد میں داخل نہ ہو جائے ۴ؔ ایسے دو آدمی جو محض اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں، اللہ ہی کے لئے وہ متحد و متفق رہیں اور اللہ ہی کے لئے اُن میں افتراق اور جدائی ہو۔ ۵ؔ وہ آدمی جس کی آنکھوں سے تنہائی میں عبادت کرتے ہوئے آنسو جاری ہو جائیں۔ ۶ؔ ایسا آدمی جس کو نوجوان اور حسین عورت بُرائی میں مبتلا ہونے کی دعوت دے اور وہ یہ کہہ کر پیچھا چھڑائے کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ ۷ؔ جو آدمی اس طرح صدقہ وخیرات دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو یہ نہ معلوم ہو سکے کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا دیا ہے۔

افتراق سے ممانعت

عَنْقَرِیْبٌ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ یَتَعَاطٰی فُقَھَاؤُھُمْ عُضَلَ الْمَسَائِلِ اُولٰٓئِکَ شِرَارُ اُمَّتِیْ۔

(طبرانی فی الکبیر)

(۹) عنقریب میری امت میں سے کچھ قومیں ایسی پیدا ہونگی، جن کے ذی علم لوگ مشکل مسائل میں جھگڑا اور اختلاف کریں گے اور وہ لوگ میری امت کے بدترین لوگ ہوں گے۔

بدترین زمانہ

سَیَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسْخٌ۔ اِذَا ظَھَرَتِ الْمَعَازِفُ وَالْقَیْنَاتُ وَاسْتُحِلَّتِ الْخَمْرُ۔

(طبرانی فی الکبیر)

(۱۰) آخری زمانہ میں جب گانے بجانے کے آلات اور رنڈیاں ظاہر ہو جائیں گی اور شراب حلال کر لی جائے گی، تو اللہ تعالےٰ اس زمانے کے لوگوں کو ذلیل وخوار کر دے گا۔ وہ ایک دوسرے پر تہمتیں باندھا کریں گے اور ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔

سفر سے واپسی

اَلسَّفَرُ قِطْعَۃٌ مِّنَ الْعَذَابِ: یَمْنَعُ اَحَدَکُمْ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ وَنَوْمَہٗ فَاِذَا قَضٰی اَحَدُکُمْ نَھْمَتَہٗ مِنْ وَجْھِہٖ فَلْیُعَجِّلِ الرُّجُوْعَ اِلٰٓی اَھْلِہٖ۔

(۱۱) سفر گویا عذاب کا ایک ٹکڑا ہے اِس لئے کہ سفر میں کھانے پینے اور سونے کی تکلیف ہوتی ہے اس لئے جب تمہاری ضرورت پوری ہو جائے تو اپنے اہل وعیال کی طرف واپس ہونے میں جلدی کرو۔

(مسند امام احمد۔ بخاری۔ مسلم۔ ابن ماجہ)

مشاہیرِ صحابہؓ

(۱۷)

(ادارہ)

عبدالرحمٰن بن جبیرؓ

آپ عبدالرحمٰن بن جبیر ابو عبسؓ انصاری اوسی ہیں، آپ کا نام قبل اسلام عبدالعزیٰ تھا۔ رسول اللہؐ نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھا۔ آپ کی کنیت ابو عبس یا ابو عیسیٰ ہے۔ آپ بھی کعب بن اشرف یہودی کے قتل میں شریک تھے اور غزوۂ بدر اور اُس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے۔ اسلام لانے کے بعد بنی حارثہ کے تمام بُتوں کو آپ نے توڑ ڈالا تھا۔ آپ اسلام لانے سے قبل بھی لکھنا جانتے تھے۔ ۳۴ھ میں بزمانۂ خلافتِ حضرت عثمانؓ وفات پائی۔

عبدالرحمٰن بن سمرہؓ

آپ عبدالرحمٰن بن سمرہ عبشمی قرشی ہیں۔ فتح مکہ میں ایمان لائے اور غزوۂ تبوک اور فتح عراق میں شریک تھے۔ ان کا نام ایامِ جاہلیت میں عبدالکلال تھا رسول اللہؐ نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھا آخری زمانہ میں آپ بصرہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے وہاں برابر جہاد میں مصروف رہے۔ عبداللہ بن عامر نے ان کو حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں سجستان کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس وقت انھوں نے کابل اور سجستان فتح کیا اور خراسان میں بھی جہاد کیا، پھر بصرہ لوٹ آئے اور وہیں تقریباً ۵۰ھ میں وفات پائی۔

عبدالرحمٰن بن شبلؓ

آپ عبدالرحمٰن بن شبلؓ انصاری اوسی کبار صحابہ میں سے قدیم الاسلام ہیں۔ انصار کے نقیبوں میں سے یہ بھی ایک تھے بعد میں ملک شام کے شہر حمص میں سکونت اختیار کی۔ فقہائے صحابہ میں سمجھے جاتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کی خلافت میں وفات پائی۔

عبدالرحمٰن بن عثمانؓ

آپ عبدالرحمٰن بن عثمان بن عبداللہ تیمی قریشی یعنی مشہور صحابی طلحہ بن عبداللہ کے بھتیجے ہیں۔ صلح حدیبیہ یا فتح مکہ کے زمانہ میں ایمان لائے۔ بعض کا قول ہے کہ عمرۃ القضاء اور جنگِ یرموک میں بھی شریک تھے۔ فتنۂ ابن زبیرؓ میں آپ حضرت ابنِ زبیرؓ کے بڑے طرفداروں میں تھے اور ۷۳ھ میں حضرت ابن زبیرؓ سے تھوڑا پہلے شہید ہوئے، ان کی قبر احاطہ مسجدِ حرام سے باہر بنائی گئی تھی اور نشانِ قبر حجاج بن یوسف ثقفی کے خوف سے بالکل مٹا دیا گیا تھا۔ چنانچہ جب مسجدِ حرام کو وسیع کیا گیا تو یہ قبر بھی نادانستہ اندرونِ مسجدِ حرام آگئی۔

عبدالرحمٰن بن غنمؓ

آپ عبدالرحمٰن بن غنم اشعری شامی مخضری ہیں۔ آپ نے رسول اللہؐ کا زمانہ پایا اور اسلام لائے۔ لیکن شرفِ زیارت حاصل نہ کر سکے لیکن امام بخاریؒ اور بعض علماء ان کو صحابی کہتے ہیں بہرحال آپ ثقہ اور بہت بڑے فقیہ تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ

کی خدمت میں اُس وقت سے برابر حاضر رہے، جب کہ حضرت معاذ رضؓ کو رسول اللہ صلعم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ ان کی تفقہ میں صلاحیت اِس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو ملک شام میں دینی مسائل کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا چنانچہ شام کے اکثر تابعین نے انھیں سے فقہی مسائل معلوم کئے ۸۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

عبد بن زمعہ رضؓ

آپ عبد بن زمعہ رضؓ بن قیس عامری قرشی امّ المومنین حضرت سودہ رضؓ کے بھائی ہیں۔ فتح مکہ میں اسلام لائے، اِس سے قبل رسول اللہ صلعم کے سخت مخالف تھے۔ جب حضرت سودہ رضؓ سے رسول اللہ صلعم کے نکاح کی خبر ملی، تو ان کو سخت غصّہ آیا اور اپنے سر پر خاک اُڑانے لگے۔ اسلام لانے کے بعد کہا کرتے تھے کہ، میں بھی کتنا احمق تھا جو اِس قدر بڑی عزّت کو ذلت سمجھتا تھا اسلام لانے کے بعد اُن کے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کے درمیان عبد الرحمٰن بن زمعہ کی ولدیت ونسب کے متعلق جھگڑا ہوا تھا جس میں رسول اللہ صلعم نے عبد بن زمعہ رضؓ کے حق میں فیصلہ فرمایا تھا۔ مشکوٰۃ شریف میں "باب اللعان" صحیحین سے یہ حدیث مروی ہے۔ اس حدیث میں عبد بن زمعہ رضؓ کا ذکر ہے

عبد اللہ بن بسر رضؓ

آپ عبد اللہ بن بسر رضؓ مازنی ہیں، ان کے والدین اور بھائی عطیہ اور سہل اور بہن صماء سب کو صحبتِ نبوی کا شرف حاصل ہے۔ آپ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلعم نے ان کے سر پر دست مبارک پھیرا اور ان کو دُعا دی۔ رسول اللہ صلعم نے ان کے گھر پر قدم رنجہ فرما کر ما حضر تناول فرمایا ہے۔ آخر زمانے میں ملک شام کے شہر حمص میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

۸۸ھ میں بہ عمر سو سال وضو کرنے کی حالت میں دفعتہً (موت فجاءۃ) وفات پائی۔ آپ اُن تمام صحابہؓ میں جو شام میں سکونت اختیار کرتے تھے، سب سے بعد وفات پانیوالے تھے۔

عبد اللہ بن حارث رضؓ

آپ عبد اللہ بن حارث بن جزء زبیدی ہیں۔ ان کا نام عاصی تھا۔ رسول اللہ صلعم نے بدل کر عبد اللہ رکھا۔ مصر میں سکونت پذیر ہو گئے۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ تقریباً ۸۶ھ میں وفات پائی۔

عبد اللہ بن ابی ربیعہ رضؓ

آپ عبد اللہ بن ابی ربیعہ رضؓ مخزومی ہیں۔ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ زمانۂ جاہلیت میں اشرافِ قریش میں آپ کا شمار تھا اور اُس وقت آپ کا نام بحیرا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے بدل کر ان کا نام عبد اللہ رکھا۔ رسول اللہ صلعم نے آپ کو یمن اور اُس کے گرد و نواح کا عامل مقرر فرما دیا تھا جس پر آپ حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ تک مقرر رہے۔ حضرت عثمان رضؓ کے محاصرے کے زمانہ میں آپ اُن کی مدد کو آ رہے تھے کہ اپنی سواری سے گر پڑے اور اسی صدمہ سے ۳۵ھ میں مکہ شریف کے قریب انتقال فرمایا۔

(صفحہ ۲ کا بقیہ مضمون)

ایک حقیقت جو مسلسل تجربوں سے ثابت ہو چکی ہے، بہت ہی عجیب ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نظام کائنات کس درجہ انضباط اور پابندی سے چل رہا ہے۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہر ۱۹ سال گیارہ دن کے بعد چاند گہنوں کا نیا دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ مثلاً آج سے لے کر ۱۹ سال گیارہ دن تک کے تمام چاند گہنوں کا وقت اور کیفیت نوٹ کر لی جائے، تو آج سے اتنا ہی عرصہ پہلے روز اتنا ہی بعد کے چاند گہن اسی ترتیب و وقت کے مطابق ہوں گے۔ ذالك تقدیر العزیز الحکیم۔

ان حقائق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم الشان نظام فلکی کے پیچھے ایک بڑے دانا و بینا کا ہاتھ ہے جس کے اشاروں پر یہ موتی نما کرہ جات حرکت کر رہے ہیں۔ اور ان کی گردش و حرکات یونہی بے کار نہیں بلکہ یہ کسی خاص مقصد کے لئے جاری ہیں لیکن افسوس ہم میں سے بہت کم ان باتوں پر غور کرتے ہیں۔

نہ صبح کے وقت سورج کا طلوع اس کے لئے کوئی قابل وقعت چیز ہے، نہ شام کو اس کا غروب۔ نہ طلوع مہتاب اس کے خوابیدہ احساسات کو جگاتا ہے، نہ ظہور کواکب۔

معذرت

گزشتہ ماہ چند ناگزیر مجبوریوں کی بنا پر "تذکرہ" تاخیر سے شائع ہوا۔ اس سلسلہ میں قارئین کو جو تکلیف پہنچی ہمیں اس کا پورا احساس ہے۔ آئندہ یہی کوشش رہے گی کہ رسالہ ٹھیک وقت پر قارئین کرام تک پہنچ جایا کرے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(ادارہ)

علمِ حدیث

(۳۳)

(مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی)

احادیث قرآن کا بیان ہیں

قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ پر جن کی عمیق اور وسیع نظر ہے اُن کو یہ برملا معلوم ہوتا ہے کہ احادیثِ صحیحہ کے تمام فرعی اور ثانوی احکام قرآن پاک کے عمومی اور کلی احکام کے تحت مندرج ہیں اگرچہ اس اندراج میں علمار کے تین نظریے ہیں۔

پہلا اور عمومی نظریہ یہ ہے کہ، قرآن پاک نے بہت سے مقامات پر جناب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا خصوصاً اور جملہ انبیار ع کی اطاعت کا عمومی حکم دیا ہے۔

چنانچہ ایک رکوع میں اٹھارہ انبیار ع کے ذکر کے بعد ارشادِ خداوندی ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ط یعنی یہ وہ لوگ ہیں، جن کو ہم نے ہدایت دی، اے محمد صلعم تو بھی انہی کی رہنمائی کی پیروی کر۔

اِس پورے رکوع میں اکثر پیغمبروں کے نام لے کر ان کے پیغمبرانہ اوصاف گنائے ہیں، اگر ہم اُن کو یکجا کر دیں تو نبوت اور رسالت کے عام اوصاف، خصوصیات اور لوازم واضح ہو جائیں۔

چنانچہ رکوع کا ہم نے جو جملہ لکھا ہے، جس کا حاصل ہے کہ ان کی رہنمائی کی پیروی کر۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی اور دعوت پر مامور ہوتے ہیں اور لوگ ان کی پیروی سے نیکوکار اور صالح بنتے ہیں۔ پس اگر قاصدِ محض فرض کیا جائے تو اِس حکم کا کیا مقصد ہوگا "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"، تمہارے لئے رسول اللہ ص میں اسوۂ حسنہ ہے یعنی آپؐ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔

متعدد آیات میں خدا اور رسول ص کی اطاعت کا حکم ہے اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔

ایک آیت میں ہے وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا۔ اگر رسولؐ کی اطاعت کروگے تو کامیاب ہوگے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ہم نے آپ کے پاس حق کتاب نازل کی، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان، جو اللہ تعالیٰ آپ کو سوجھائے اُس کے ذریعہ فیصلہ کریں۔

کتاب کے ساتھ اور کتاب کے ذریعہ فیصلہ کو نہیں فرمایا بلکہ ارادتِ خداوندی کے ذریعہ۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ۔ قسم ہے تیرے رب کی، وہ مومن نہ ہوں گے جب تک وہ تجھے اپنے جھگڑوں کا منصف نہ بنائیں۔

ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ط۔ اور پھر آپ جو فیصلہ فرما دیں اس سے اپنے دل میں تنگی نہ پائیں اور پوری طرح تسلیم نہ کریں۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ

وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ

کسی مسلمان مرد یا عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول ؐ فیصلہ کر دے، تو اُن کو اپنے کام کا اختیار رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ ہوا۔

یہ اطاعت اور مطلق سرافگندگی اور تمام فیصلوں کا قطعی حق اور منصفانہ فیصلہ ہونے کی ربانی ذمہ داری ہر حاکمِ وقت اور سلطانِ زمانہ کے لئے نہیں، یہ انبیاء ؑ کے لئے خاص ہے۔ دو شخصوں کے باہمی جزئی اور شخصی فیصلہ ظاہر ہے کہ خود اللہ تعالےٰ وحی قرآن کے ذریعہ نہیں کرتا تھا، بلکہ رسول ؐ کی فہمِ نبوت، نورِ نبوت، فیضِ حکمت، شرحِ صدر تبیینِ حقیقت اور ارادت کے ذریعہ کرتا تھا۔ لیکن کلّیات کی حیثیت سے وہ یقیناً وحیِ قرآن کے مطابق ہوتا تھا۔ اور ان کلیات کے مطابق جزئیات کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ آپ کو سوجھاتا تھا آپ ؐ کے اِن فیصلوں اور قضایا کی رضامندانہ اطاعت ہر مسلمان پر قیامت تک بحکمِ قرآن لازم اور ضروری ہے آپ ؐ کی زندگی کے بعد ان فیصلوں کی اطاعت یہ ہے کہ اس قسم کے مقدمات اور معاملات میں ہم وُہی فیصلے جاری کریں جو آپ ؐ نے اپنی زندگی میں اِس طرح کے معاملات میں کئے کیونکہ آپ کے فیصلے بحکمِ خدا غلطی سے پاک، ظلم سے بری اور بے انصافی سے منزّہ تھے اور دنیا میں رسول کے سوا کسی انسان کو اِس بے گناہی اور عصمت کا درجہ اور رتبہ حاصل نہیں۔

اسی طرح حضور ؐ کا ہر حکم اور ہر ممانعت بحکمِ قرآن واجب الاطاعت ہے۔

وما اٰتاکم الرّسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا۔ جو تم کو رسول ؐ دیں اس کو لو، اور جس سے منع کریں اُس سے بچو!

اِس آیت میں بعض حضرات کا یہ کہنا کہ یہ آیت مال کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ "ایتاء" مال ہی کے لئے مستعمل ہوتا ہے" صریح اور فحش غلطی ہے۔ لغتِ عربی تو کیا مساعدت کرتا خود قرآن میں "ایتاء" مال اور غیر مال کے لئے استعمال کیا گیا ہے تورات کے عمل پر ارشادِ خداوندی ہے خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ اور اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ۔ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ بیسیوں نظائر اس دعوے کے مخالف ہیں۔

اسی طرح اطیعوا الرّسول پر یہ کہنا کہ اِس سے خداوندی اور خدا کے کتابی احکام کی اطاعت مُراد ہے۔ اگر بالفرض اِس کو تسلیم کریں تو تمام قرآن میں اطیعوا اللہ کے ساتھ اطیعوا الرّسول کیوں ذکر کیا گیا اور اکثر مقامات پر تکرار "اطیعوا" کے ساتھ، جس سے صاف واضح اور روشن ہوتا ہے کہ یہ دو مستقل اطاعتیں ہیں۔ ایک ضمن میں کتابِ الٰہی کے اور ایک ضمن میں احکامِ رسول کے، اور بعض مقامات میں تو صرف رسول ؐ ہی کی اطاعت کا ذکر ہے، وہاں تو اطاعتِ خداوندی کے بارے میں ذکر ہی نہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی اطاعت بلا اطاعت رسول ؐ ممکن ہی نہیں، اِسی طرح قرآن پاک نے ارسالِ رسول کی غرض و غایت ہی اطاعت تبلائی ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

انبیاء و رسل ؑ کی بعثت کی غرض قرآن پاک نے کتاب

الٰہی کا لوگوں تک پہنچا دینا کہیں ذکر نہیں کیا۔ جس سے ایک ادنیٰ فہم والا انسان یہ باطل تصوّر اور یہ غلط خیال جما سکتا تھا کہ نبی قاصدِ محض خدا اور بنی آدم کے درمیان ہوا کرتا ہے۔

انبیاء ؑ کے بعثت کی سب سے پہلی غرض و غایت قرآن پاک نے اُس روزِ الستُ کے بھولے ہوئے عہد کی یاد دہانی بتائی اِس کے بعد رسول کی ایک غرض یہ بھی بتائی گئی ہے کہ ان کا وجود بنی آدم پر اتمامِ حجّت ہو۔ ممکن ہے کہ آدم ؑ کے فرزند بجا عذر کریں کہ ہم کو کوئی یاد دلانے والا نہیں آیا۔

رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ رسول ؑ خوش خبری سُنانے والے، ڈرانے والے ہیں، تاکہ رسولوں ؑ کی آمد کے بعد لوگوں کے لئے خدا پر کوئی حجّت باقی نہ رہے۔

"تذکیر" کے بعد نبی کا فرضِ اوّلین "ہدایت و رہنمائی" ہے۔ کیونکہ انبیاء و رسل حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ ہادی کے مظہر اور مورد ہیں، اِسی لئے ایک آیت میں نبی اور رسل کے لئے "ہادی" کا لفظ آیا ہے۔

وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ اور ہر قوم کے لئے ایک راہ دکھانے والا آیا۔

سورۂ شوریٰ میں فرمایا وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ یقیناً آپ سیدھی راہ دکھاتے ہیں۔

سورۂ انبیاء میں بہت سے پیغمبروں کے ذکر کے بعد ہے۔ وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا۔ اور ہم نے اُن پیغمبروں کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے راہ دکھاتے ہیں۔

اسی طرح اُن آسمانی کتابوں کو جو لوگوں کو دی گئی تھیں، بار بار "ہُدیٰ" ہدایت کہا گیا۔ اور کہیں اُن کو ضیاء، نور اور روشنی کے الفاظ سے یاد کیا گیا۔ پس انبیاء ؑ کے ہادی ہونے کو لازم اور ضروری ہے کہ ان کی ہدایت کی اتّباع و پیروی کی جائے اور یہ بلا اطاعتِ اقوال و افعال اور احوال ممکن نہیں۔ پس جب قرآن نے صحیفۂ ربّانی کو بھی ہادی فرمایا اور انبیاء اور نبی کریم ؐ کو بھی ہادی فرمایا تو معلوم ہوا کہ حصولِ ہدایت کے لئے دونوں کا اتّباع ضروری اور لازمی ہے بلکہ قرآن نے نبی کے اتّباع و اطاعت کو عین خدا کا اتباع اور خدا کی اطاعت قرار دیا ہے۔

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ اگر تم حق تعا[lٰ] کو محبوب رکھتے ہو تو میرا اتّباع کرو۔

اِس آیت میں فَاتَّبِعُوا الْقُرْاٰنَ نہیں فرمایا۔ بلکہ حضور ؐ کے اتّباع کا حکم فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ حضور ؐ کا اتّباع قرآن سے زائد اُمور میں بھی اُمّت پر لازم ہے اور اتّباع اقوال میں ہے اور افعال میں بھی، اور اسی مجموعہ کا نام حدیث و سنّت ہے۔ اور جگہ تو بالکل صریح اور صاف طور پر فرما دیا۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ جو رسول ؐ کی اطاعت کرے، اُس نے خدا کی اطاعت کی۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے:

من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ ومن عصانی فقد عـ[صی] اللّٰہ۔ جس نے میری اطاعت کی، اُس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ الحا[صل] انبیاء ؑ کی ہدایت اور رہنمائی سے استفادہ کی ایک ہی صو[رت] ہے اور وہ اُن کی کماحقہٗ اطاعت و پیروی ہے۔ دوسرا مقـ[صد] اس پیروی کا یہ ہے کہ وہ بندگانِ الٰہی کو باطل کے اندھیر[ے]

نکال کر حق کی روشنی میں لاتے ہیں۔ انسان جن فاسد خیالات بیہودہ افکار، بے سود اعمال کی تاریکیوں میں پھنس کر فطری بصیرت اور روحانی معرفت کے نور سے محروم ہو جاتا ہے۔ انبیاء ؑ ان اندھوں کے ہاتھ پکڑ کر ان کو ظلمات سے نور میں لاتے ہیں، اُن کو شک کی جگہ یقین، جہل کی جگہ علم، باطل کی جگہ حق، ظلمت کی جگہ نور عطا کرتے ہیں۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ احادیث وسنّت ذ اقوال و افعال اور احکام رسول اللہ صلعم کا واجبُ الاتّباع ہونا اس بنا پر ہے کہ قرآن نے ہر نبی کے اتّباع کو ضروری قرار دیا ہے اور یہ خاصہ لازمۂ نبوت سے ہے۔ پھر بہت سے مقامات پر نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم کی اطاعت اور اتباع کا خصوصیت سے حکم دیا ہے اور یہ کہنا کہ اتّباع و اطاعت کا حکم حاکم اور امام ہونے کے باعث ہے، نبوت و رسالت کے باعث نہیں۔ اِس لئے عقل باور نہیں کر سکتی کہ اکثر مقامات پر اس حکم کو منصب رسالت پر منطبق کیا گیا ہے، جو صاف بتلاتا ہے کہ علّتِ حکم نبوت و رسالت ہے نہ کہ حکومت و امامت۔ نیز قرآن نے ہر رسول کی اطاعت کو ضروری قرار دیا ہے اور حاکم ہونے کے مستحق صرف سلیمان ؑ اور داؤد ؑ ہیں۔ اور کسی توجیہہ سے یوسف ؑ و موسیٰ ؑ کو بھی شامل کر لیجئے۔ بقیہ انبیاء ؑ کو تو اِس کا کوئی حصہ ہی نہیں ملا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامِ مکہ میں اطاعت واجب نہ تھی۔ پھر خود قرآن نے حاکم کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے بعد ایک مستقل اور اطاعتِ رسول سے ایک جدا اور مستقل فرد قرار دیا ہے اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ:

قرآن مجید مجمل ہے، احادیث موضوع ہیں۔ یعنی قرآن کے احکام نفسِ عمل کی کیفیات، اُن کے اسباب، اُن کے شروط، اور اُن کے موانع کے لحاظ سے مجمل ہیں اور احادیث میں اُن کی توضیح ہے۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ کی تشریح قرآن مجید ہی کی توضیح ہے۔ قرآن پاک اور احادیث دونوں پر جن کی عمیق و وسیع نظر ہے ان کو برملا یہ معلوم ہوتا ہے کہ احادیثِ صحیحہ کے تمام فرعی جزئیات و احکام قرآن پاک کے عمومی اور کلّی احکام کے تحت مندرج ہیں۔ آنحضرت صلعم نے اپنے الفاظ میں صرف اُن کی تشریح فرمائی ہے اور یہ تشریح اراءتِ الٰہی اور نور بصیرت اور ملکۂ نبوت وغیرہ خصوصیات کے باعث ہے۔ اِس لئے واجبُ الاتّباع ہے۔

اِس قسم کی حدیثوں کی عموماً تین شکلیں ہیں۔ ایک تو وہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں حکم بیان فرمانے کے بعد خود قرآن پاک کی کوئی آیت اُس کے ساتھ پڑھ دی، اِس امر اور اس کی نوعیت میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟ دوسری شکل یہ ہے کہ آیت تو آپ نے نہیں پڑھی مگر خود اس حکم میں ایک دو لفظ ایسے فرما دیئے ہیں جو کسی آیت کا جزو ہیں۔ جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہ حکم فلاں آیت کی تشریح ہے۔ اِس صورت میں بھی اصل و فرع کی تمیز اہلِ علم کے لئے آسان ہے۔ تیسری شکل یہ ہے کہ آپ نے کسی آیت یا اشارہ کے بغیر حکم فرما دیا۔ اس قسم کی حدیثوں کے ماخذ کی تلاش دقتِ نظر کا کام ہے۔ ان کا پتہ زبانِ نبوت اور فہمِ رسالت کے طرز و اسلوب کے سمجھنے والے راسخین فی العلم ہی پا سکتے ہیں۔

انسانی الفاظ میں یہ قدرت نہیں کہ ان کے ذریعہ سے

کوئی ایسا قانون وضع کیا جا سکے جو ایک طرف اختلافِ فہم سے محفوظ رہے اور دوسری طرف اس میں یہ وسعت ہو کہ تمام آئندہ پیش آنے والے واقعات پر جن کے جزئیات کی کوئی حد نہیں پوری طرح حاوی ہو۔ لیکن فہمِ انسانی کے اختلاف کے جو نقائص قانون میں ہوتے ہیں گو ان کو تمام تر دُور نہیں کیا جا سکتا، تاہم اُن کو کم کیا جا سکتا ہے۔ اسلام نے اپنے قانونِ الٰہی سے جو بہر حال انسانی بول چال کے الفاظ میں ہے، اِس اختلافِ فہم کے نقص کو کم کرنے کے لئے یہ کیا کہ اپنے رسولؐ کی معرفت زبانی اور عملی طور سے اُس کی تشریح کرا دی۔ گو انسانی ذرائع حفظ و روایت کی فطری کمزوریو کے باعث اِس تشریح و تبیین میں بھی اختلافِ فہم پیدا ہو گا لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر یہ تشریح و تبیین نہ ہوتی تو اختلافات کی خلیج اس سے بھی زیادہ عمیق اور وسیع ہوتی اور اگر موجودہ خیالات اور اوہام کے ماتحت ہر امام اور حاکمِ وقت کے متعلق فہمِ قرآن اور جزئیات کی تشریح و توضیح سپرد ہوتی، تو ہوا اور خواہشات کے اختلاف کے باعث دین کی صورت کا بقا بھی ناممکن تھا۔

روزمرہ کے پیش آتے رہنے والے جزئیات کے فیصلہ کی یہ صورت رکھی گئی کہ آنحضرت صلعم کی عدالت میں روزانہ اس قسم کے واقعات اور مقدمات پیش ہوتے رہتے اور آپ وحیِ کتاب کے اصول و کلیات کے ماتحت اپنی نورِ بصیرت اور فہم حکمت سے اُن کے فیصلے فرماتے رہتے۔ خلفاءِ راشدین نے اپنے اپنے عہد میں ان نو بنو اور تازہ بتازہ واقعات کے فیصلوں کے لئے اولاً وحیِ کتابی کو اور اس کے بعد آنحضرت صلعم کے ان قضایا اور فیصلوں کو جو فہمِ نبوت اور نورِ بصیرت اور اراداتِ الٰہی کے ذریعہ فیصل ہوئے تھے اپنا ماخذ قرار دیا اور انہی اصول کو بعد کے فقہاء اور مجتہدین نے اختیار کیا اور ہر نئے واقعہ کو وحیِ کتا اور فیصلۂ نبوی کے معلوم و مسلم معیار پر جانچ کر اُن میں سے کسی نہ کسی مماثل اور مشابہ پر قیاس کر کے اپنے فیصلے دیئے اور جو چیزیں ان میں نہ ملیں، ان کو معروف عدل و انصاف و رسم و رواج و عقل و فکر و استحسان وغیرہ کے اصول پر سمجھ کر ان کا فیصلہ کیا یہی مجموعہ آج فقہِ اسلامی کہلاتا ہے۔

وحیِ الٰہی قرآن پاک میں ہے اور آنحضرت صلعم کے قضایا اور فیصلے احادیث و سنن کی صحیح روایتوں میں محفوظ ہیں۔ وحیِ الٰہی کی صداقت میں تو کلام نہیں ہو سکتا۔ اب رہ گئی آنحضرتؐ کے قضایا اور فیصلوں کی پیروی تو اس کے متعلق بھی وحیِ الٰہی ناطق ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ "ہم نے آپ پر سچائی کے ساتھ کتاب اُتاری تاکہ لوگوں کے درمیان جو اللہ آپ کو سوجھائے، اُس کے ذریعہ فیصلہ کریں"

اِس کتابِ الٰہی کے نزول کی غرض ہی یہ بتائی گئی ہے کہ آپ اے پیغمبرؐ اس کے احکام اور قوانین کو لے کر، اس فہم کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھائے اور دکھائے، آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ اور انصاف کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبرؐ کو یہی سوجھانا اور دکھانا جو کچھ تھا وہ آپ کے عمل اور قضایا اور فیصلوں کی صورتوں میں محفوظ ہے اور اسلام کے قانون کا وحیِ الٰہی کے بعد دوسرا ماخذ ہے۔

آنحضرت صلعم کے عدل و انصاف پر خود منافقین تک کو

بھروسہ تھا۔ چنانچہ ان کا قاعدہ تھا کہ جب اُن کا حق کسی پر ہوتا، تو وہ دوڑے ہوئے عدالتِ نبوی میں حاضر ہوتے، کیونکہ سمجھتے تھے کہ یہ حق آپ ہی کی عدالت سے ہم کو ملے گا۔ لیکن جب اُن پر کسی کا حق نکلتا تو وہ ٹال جاتے اور دوسرے طریقے سے فیصلہ چاہتے، اِس پر اللہ تعالےٰ نے سورۂ نور کی متعدد آیات میں ان کی سرزنش کی واذا دعوا الی اللہ ورسولہ الیٰ قولہ ھم الفائزون ۵

اِن آیات سے معلوم ہوا کہ رسولؐ کے تمام فیصلے منصفانہ ہوتے تھے اور رسولؐ کے فیصلوں کی اطاعت خود خدا کے حکم کی اطاعت ہے بلکہ ایمان کی دلیل اور نشانی ہے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم۔ قسم ہے آپ کے خدا کی وہ مومن نہ ہوں گے، جب تک وہ آپؐ کو اپنے تنازعات کا منصف نہ بنا دیں اور آپ جو فیصلہ کریں، اُسے پوری طرح تسلیم نہ کریں۔

یہ اطاعت اور مطلقاً سرافگندگی اور تمام فیصلوں کا قطعی حق اور منصفانہ فیصلہ ہونے کی ربانی ذمہ داری ہر حاکمِ وقت اور سلطان اور امامِ زمانہ کے لئے نہیں، یہ انبیاءؑ کے لئے خاص ہے۔ دو شخصوں کے باہمی جزئی و شخصی مقدمات کا فیصلہ بدیہی اور ظاہر بات ہے کہ خود حق تعالےٰ وحیِ قرآن کے ذریعہ نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ رسولؐ کی فہمِ نبوت، نورِ نبوت، فیضِ حکمت، شرحِ صدر، بیانِ حقیقت اور اراءت (سوجھانے) کے ذریعہ فرماتا تھا لیکن کلیات کی حیثیت سے وہ یقیناً وحیِ قرآن کے مطابق ہوتا تھا، اور ان کلیات کے مطابق ان جزئیات کا خود اللہ تعالےٰ آپ کو سوجھاتا تھا۔

آپ کے اِن فیصلوں اور قضایا کی رضامندانہ اطاعت ہر مسلمان پر تاقیامت ضروری ہے۔ آپؐ کی زندگی کے بعد ان فیصلوں کی اطاعت یہ ہے کہ اس قسم کے مقدمات اور معاملات میں ہم وہی فیصلے جاری کریں، جو آپ نے اپنی زندگی میں اس نوعیت کے معاملات میں کئے کہ آپؐ کے فیصلے بحکمِ خدا غلطی سے پاک، ظلم سے بری اور بے انصافی سے منزہ تھے اور دنیا میں رسولؐ کے سوا کسی انسان کو اس بے گناہی اور عصمت کا درجہ اور رتبہ حاصل نہیں۔

کتاب و حکمت کی تعلیم

حضرت ابراہیمؑ نے آنحضرت صلعم کے ظہور کی یہ دُعا بارگاہِ خداوندی میں مانگی تھی۔

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھم آیٰتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم "اے ہمارے پروردگار اور ان میں ایک رسول بھیج، جو اُن کو تیری آیتیں سُنائے، اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھائے اور اُن کو سنوارے"

اللہ تعالےٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی۔

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم آیٰتنا ویزکیکم ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون ۵

"جس طرح اُس نے تم میں ایک رسول بھیجا، وہ تم کو ہماری آیتیں سُناتا اور تم کو سنوارتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے"

اِس دعاءِ ابراہیمی کے مطابق آنحضرت صلعم کے ظہور کا احسان، اللہ تعالےٰ نے سورۂ آلِ عمران کے سترھویں رکوع میں مومنین پر فرمایا ہے:

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من

انفسھم یتلوا علیھم اٰیٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ

"درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اُن کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اُٹھایا، جو اس کی آیات انھیں سُناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔"

اللہ تعالےٰ نے اپنا یہی احسان انہی الفاظ میں سورۂ جمعہ میں دُھرایا ہے۔ اور سورۂ نساء میں بھی آنحضرت ؐ کو مخاطب فرماکر ارشاد فرمایا ہے:

وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ "اور خدا نے آپ پر کتاب اور حکمت اُتاری۔"

عام مسلمانوں سے ارشاد ہے:

وانزل علیکم من الکتاب والحکمۃ "اور اُس نے تم پر جو کتاب اور حکمت اُتاری ہے۔"

خاص طور سے ازواج مطہرات کو خطاب ہے۔

واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من اٰیٰت اللہ والحکمۃ "اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سُنائی جاتی ہیں اُن کو یاد رکھو۔"

اوپر کی تین آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ کے تین کاموں کا ذکر ہے:

(۱) خدا کی آیتوں کو پڑھنا اور دوسروں کو سُنانا۔

(۲) ان کو شرک اور بداخلاقی کی نجاستوں سے پاک و صاف کرنا اور سنوارنا۔

(۳) ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینا۔

سوال یہ ہے کہ پہلا اور تیسرا کام ایک ہی معنی رکھتا ہے یا دو؟ اگر ایک معنی رکھتا ہے، تو اس سے بے سود تکرار کا فائدہ کیا؟ یا کیوں نہ دوسری جگہ بھی "یتلو" یعنی تلاوت کا لفظ رکھ دیا گیا، اور اگر دو الگ الگ معنی رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ہر صاحب نظر سمجھ سکتا ہے، تو ان دونوں معنوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہوگا۔ اگر رسول کا فرض محض وحی کی زبان سے سُنی ہوئی آیتوں کو پڑھ کر دوسروں کو سُنا دینا ہے اور اسی پر اس کی تبلیغ کا فریضہ ختم ہو جاتا ہے، تو اس کا تیسرا فرض الفاظ کی تلاوت سے آگے بڑھ کر کتاب اور حکمت کے سبق کی تعلیم کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے بالکل ظاہر ہے کہ تعلیم کا مفہوم تلاوت سے بہت کچھ زیادہ ہے خصوصاً جب کہ لفظِ تعلیم تلاوت کے بعد آتا ہے۔ وحی کے الفاظ سُنا دینے سے تلاوت کا فرض ادا ہو جاتا ہے مگر تعلیم کا فرض ہنوز باقی رہ جاتا ہے۔ کتاب کی تعلیم کے معنی تلاوت کی طرح کتاب کے الفاظ سُنا دینا اور پڑھا دینا اور دوسروں کو یاد کرا دینا نہیں، بلکہ الفاظ قرآن کے تلاوت کے بعد جو آپ کا پہلا کام تھا اس کے مشکل مطالب کا حل کرنا، مجمل معانی کا سمجھانا اور اپنی زبان اور عمل سے اُن کی شرح و تفصیل کر دینے کا نام کتاب و حکمت کی تعلیم ہے اور یہ آپ کا دوسرا یا تیسرا فریضہ تھا۔ اور یہی وہ تعلیم تھی جس کا اِن آیتوں میں بار بار ذکر ہے۔ بالخصوص آیت ۳ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو آیاتِ الٰہی کے علاوہ کس حکمت کے یاد رکھنے کا حکم ہے؟ اب اگر وہ باتیں امور دین سے متعلق نہ ہوتیں تو ان کے لئے ان کا یاد رکھنا کیوں ضروری قرار دیا جاتا؟

اب جب اِن مطالب و معانی کی شرح و تفسیر بھی آپ کے فرائض نبوت میں داخل تھی، تو اس پیغمبرانہ شرح و تفصیل کی حیثیت

بھی دینی ہوگی۔ اور اس کی تعمیل بھی اُمت کے لئے ضروری ہوگی۔ اور آپ کی اس زبانی و عملی شرح و تفصیل کو صحابہ اور تابعین نے اپنی روایت اور عمل سے محفوظ رکھا اور وہ سُنن اور احادیث کے نام سے موسوم ہے۔ رہ گیا یہ سوال کہ حکمت کس کو کہتے ہیں لغاتِ قرآن کے مشہور امام "راغب اصفہانی" مفردات القرآن میں فرماتے ہیں:

والحکمۃ اصابۃ الحق بالعلم والعقل فالحکمۃ من اللہ تعالیٰ معرفۃ الاشیاء وایجادھا علی غایۃ الاحکام ومن الانسان معرفۃ الموجودات و فعل الخیرات "اور حکمت علم و عقل سے سچی اور صحیح بات کو جاننا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت چیزوں کا جاننا اور ان کو بکمال خوبی پیدا کرنا ہے۔ اور انسان کی حکمت موجودات کو جاننا"

عربی لغت کی مبسوط اور مُستند کتاب "لسان العرب" میں ہے کہ حکمت اچھی باتوں کا ان کی خوبی کی وجہ سے اختیار کرنا ہے

والحکمۃ عبارۃ عن معرفۃ افضل الاشیاء بافضل العلوم "اور حکمت بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعہ جاننے سے عبارت ہے"

امام ابن جریر طبری نے مختلف اقوال لکھنے کے بعد حسب ذیل اپنا فیصلہ درج فرمایا ہے:

والصواب من القول عندنا فی الحکمۃ انھا العلم باحکام اللہ تعالیٰ لا یدرک علمھا الا ببیان الرسول صلعم والمعرفۃ بھا وما دل علی ذلک من نظائرہ وھو عندی ماخوذ من الحکم الذی بمعنی الفصل بین الحق والباطل "ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حکمت ان احکامِ الٰہی کے علم کا نام ہے جو رسولؐ کے بیان (تشریح) سے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی اور جو اُن کی مثالیں اور نظیریں ہیں، ان کی معرفت کو حکمت کہتے ہیں۔ اور لفظ حکمت میرے نزدیک حکم سے ماخوذ ہے جس کے معنی حق و باطل میں تمیز کرنے کے ہیں"

امام شافعی رح اپنی تصنیف "کتاب الرسالہ" میں لکھتے ہیں

وسمعت من ارضی من اھل العلم بالقرآن یقول الحکمۃ سنۃ رسول اللہ "میں نے قرآن کے اُن اہلِ علم سے جن کو پسند کرتا ہوں یہ سُنا کہ حکمت آنحضرت صلعم کی سنت کا نام ہے"

امام شافعیؒ اسی کتاب میں آگے چل کر بعضوں کا قول نقل فرماتے ہیں:

والسنۃ الحکمۃ التی القی فی روعہ عن اللہ عزوجل "اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے دل میں خدا کی طرف سے ڈالی گئی"

اور یہ تو اس بنا پر صحیح ہے کہ خود قرآن میں حضورؐ کو خطاب ہے:

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ "یہ وہ ہے جو حکمت کی باتوں میں سے خدا نے آپ پر وحی کی ہے"

ائمۂ لغت اور علمائے قرآن کے اگر تمام اقوال پر اگر نظرِ غائر ڈالی جائے تو یقینی طور پر معلوم ہوگا کہ یہ سب کے سب ایک ہی مفہوم کی مختلف تعبیریں کر رہے ہیں، اور ایک ہی حقیقت کی یہ سب متحد تعبیریں ہیں +

کتاب التوحید مترجم

اِس میں توحید کی حقیقت، اس کی حدود، شرک اور اس کی خرابیاں اور اس میں مبتلا ہو جانے کے تمام راستوں کو ہر باب کے مطابق قرآن اور حدیث کی صاف اور واضح شہادتوں سے بیان کر دیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے بہت سے رسمی امور ایسے معلوم ہوں گے جو شرعاً ناجائز ہیں۔ بہت سی بدعتیں اور برائیاں ظاہر ہوں گی، ضرور ہے کہ ہر شخص اس کو نہایت غور و تدبر سے پڑھے۔ اِس تاریک دَور میں اس اصلاحی کتاب کا ہر مسلمان کے لئے زیر مطالعہ رہنا نہایت ضروری ہے۔ صفحہ کے ایک طرف اصل عربی اور اس کے مقابل اُردو ترجمہ، نیز جا بجا ضروری تشریحات سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ اس کتاب کی ابتدا میں مصنفؒ کی سوانح بھی شامل کر دی گئی ہے **نور محمد** اصح المطابع کی مطبوعہ "کتاب التوحید" کا یہ ایڈیشن تمام سابقہ مطبوعہ نسخوں سے صحیح ترین و کتابت و طباعت کے معیار میں ممتاز ہے۔ قیمت مجلد تین روپے۔

اسبابِ زوالِ امت

یہ بے مثال کتاب دنیائے اسلام کے نامور ادیب اور مجاہدِ اعظم علامہ امیر شکیب ارسلان کی تصنیف ہے جس کو اُردو کا جامہ پہنایا گیا ہے۔

اِس تلخ حقیقت سے ہرگز منہ نہیں موڑا جا سکتا کہ آج کل مسلمان دنیا کے ہر گوشہ میں محکوم اور زوال پذیر ہیں۔ ضرورت ہے کہ اصلاح سے قبل اسباب پر غور کیا جائے، یہ کتاب بڑی حد تک فکر و عمل کے میدان میں رہنما ثابت ہو گی۔ مسلمانوں کی تباہی کا مرثیہ پڑھنے والے بہت سے گزر گئے اور اب بھی موجود ہیں، لیکن علاج کرنے والے بہت کم ہیں۔ اِس کتاب میں اِس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب موجودہ صدی کی بہترین اصلاحی تصنیف ہے اور اس قابل ہے کہ ہر شخص ایک مرتبہ ضرور اس کا مطالعہ کرے۔

قیمت مجلد، ایک روپیہ آٹھ آنے

نور محمد۔ کارخانہ تجارت کتب۔ فریر روڈ مقابل آرام باغ۔ کراچی

تذکرہ

(ابوالبیان حمّاد)

کانٹوں کا چھیڑیئے نہ گلستاں کا تذکرہ
شیریں و دلپذیر ہے رحماں کا تذکرہ

ہو عام پھر محمدؐ ذی شاں کا تذکرہ
ہادیِ دین و داعیِ ایماں کا تذکرہ

مطلوب آپ کو ہے کس عنواں کا تذکرہ
نشتر کا تذکرہ کہ رگِ جاں کا تذکرہ

جی چاہتا ہے شغل اسی کا ہو بار بار
کچھ اس طرح لذیذ ہے جاناں کا تذکرہ

ہوتا ہے یوں تو بزمِ زمانہ میں سب کا ذکر
لیکن نہیں تو صرف مسلماں کا تذکرہ

یوں جو درندگی کا ہوا ہے مظاہرہ
انساں کا تذکرہ ہے کہ حیواں کا تذکرہ

اعمال وہ کہ جن سے شیاطیں بھی چیخ اٹھیں
آپ اور تخت و تاجِ سلیماں کا تذکرہ

چبھتی ہے پھانس سی دلِ بے اختیار میں
ہوتا ہے جب قفس میں گلستاں کا تذکرہ

ہے یہ جو پارہ پارہ تو وہ بھی ہے چاک چاک
دامن کا تذکرہ کہ گریباں کا تذکرہ

ہے جل ترنگ سازِ نفس کا لہو ترنگ
اے جانِ جاں ہو پھر سے رگِ جاں کا تذکرہ

میں نے کیا جراحتِ دل کا بیاں جہاں
چھیڑا وہیں کسی نے نمکداں کا تذکرہ

دل کو لگی جو ٹھیس سی اٹھتی ہے ٹیس سی
ہے ذکرِ خیر درد ہی درماں کا تذکرہ

شہ مل گئی ہے وحشتِ ذوقِ جنوں کو پھر
چھیڑا کسی نے جب بھی بیاباں کا تذکرہ

سب سے لیا گیا تھا جو بزمِ الست میں
ہوتا نہیں ہے کیوں اسی پیماں کا تذکرہ

آجائے پھر سے گلشنِ ایماں میں تازگی
حمّاد چھیڑیئے بھی تو قرآں کا تذکرہ

تبلیغ رسالت کے چند مناظر

(مولانا عبدالسلام نعمانی)

(۱)

(برک الغماد (مکہ سے یمن کی سمت) مسلمان دوبارہ ہجرت کرکے روانہ ہو رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق بھی ساتھ ہیں۔ ابن الدغنہ ملتا ہے)۔

ابن الدغنہ۔ ابوبکر! کہاں جا رہے ہو؟

ابوبکر۔ میری قوم مجھ کو رہنے نہیں دیتی، چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جاکر اللہ کی عبادت کروں۔

ابن الدغنہ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم جیسا شخص مکہ سے نکال دیا جائے، میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔

(ابن الدغنہ ابوبکر کو لے کر مکہ جاتا ہے، پھر قریشیوں سے)

ابن الدغنہ۔ قریش والو! تم ایسے شخص کو مکہ سے نکالتے ہو، جو مہمان نواز ہے، مفلسوں کا مددگار ہے، رشتہ داروں کو پالتا ہے اور مصیبتوں میں کام آتا ہے۔

قریش۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکر نمازوں میں چپکے سے جو چاہیں پڑھیں آواز سے قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری عورتوں اور بچوں پر اثر پڑتا ہے۔

ابن الدغنہ۔ (ابوبکر سے) اب میں تمہاری حفاظت کا ذمہ دار نہیں بن سکتا۔

ابوبکر۔ مجھے تو خدا کی حفاظت کافی ہے، میں تمہاری جوار سے استعفاء دیتا ہوں۔

(صحیح بخاری۔ باب ہجرت مدینہ)

(۲)

(ہشام عامری خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار عبدالمطلب کے نواسے زہیر کے پاس آتا ہے)

ہشام۔ کیوں زہیر! تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو، ہر قسم کا لطف اٹھاؤ۔ اور تمہارے ماموں کو ایک دانہ نصیب نہ ہو؟

زہیر۔ میں مجبور ہوں، تنہا ہوں۔ ایک شخص میرا ساتھ دے تو میں ظالمانہ معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دوں۔

ہشام۔ تو اس کے لئے میں حاضر ہوں۔

(دونوں مطعم بن عدی کے پاس روانہ ہوتے ہیں ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن الاسود بھی ساتھ ہیں۔ دوسرے دن سب مل کر حرم میں جاتے ہیں)

زہیر۔ (لوگوں کو مخاطب کرکے) مکہ کے لوگو! یہ کیا انصاف ہے؟ کہ ہم لوگ آرام سے بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو، خدا کی قسم! جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا، میں باز نہ آؤں گا۔

(ابوجہل یہ سب باتیں سنتا ہے)

ابوجہل۔ اس معاہدہ کو ہرگز کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

زمعہ۔ تو جھوٹ کہتا ہے۔ جب یہ لکھا گیا تھا، اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے۔

(مطعم ہاتھ بڑھا کر دستاویز کو چاک کر دیتا ہے)

(سیرۃ ابن ہشام و تاریخ طبری)

(۳)

(ابوطالب بسترِ مرگ پر ہیں، ابوجہل اور عبداللہ بن اُمیہ بھی موجود ہیں۔ آنحضرتؐ تشریف لاتے ہیں)

آنحضرت۔ چچا جان! مرتے مرتے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہہ لیجئے، تاکہ میں خدا کے یہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں۔

ابوجہل۔ ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟

ابوطالب۔ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں (پھر آنحضرتؐ سے) میں وہ کلمہ کہہ دیتا۔ لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے پہلے ڈر گیا۔

آنحضرت۔ اچھا تو اب میں آپ کے لئے دُعائے مغفرت کروں گا جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ کر دے۔

(صحیح بخاری، بابُ الجنائز)

(۴)

(حج کا زمانہ ہے۔ عرب کے قبائل آئے ہوئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کے لئے نکلے ہیں عکاظہ، یمامہ وغیرہ کی تبلیغ کے بعد قبیلہ بنو ذہل بن شیبان میں تشریف لا رہے ہیں، ابوبکرؓ بھی ساتھ ہیں)۔

ابوبکر۔ (مفروق سے) تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سُنا ہے؟ دیکھو! وہ یہی تو ہیں۔

مفروق۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رُخ کر کے) قریش کے بھائی! تم کیا تلقین کرتے ہو؟

آنحضرتؐ۔ خدا ایک ہے اور میں اُس کا پیغمبر ہوں۔ پھر یہ آیت پڑھتے ہیں قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

(کہہ دو! کہ آؤ میں تمہیں سُناؤں کہ خدا نے کیا چیزیں حرام کی ہیں، یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کا حق بجا لاؤ اور اپنے بچوں کو افلاس کے خیال سے قتل نہ کرو! ہم تم کو اور اُن کو روزی دیں گے، فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ، وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور آدمی کی جان جس کو خدا نے حرام کیا ہے، ہلاک نہ کرو)۔

(قبیلہ کے رؤسا، مفروق، مثنیٰ، ہانی وغیرہ اس موقع پر موجود ہیں)

ملی جلی آوازیں۔ بے شک یہ آیتیں بالکل بجا ہیں۔ لیکن مدّتوں کا خاندانی دین دفعتاً چھوڑ دینا زود اعتقادی ہے اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے زیرِ اثر ہیں، اور معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم کسی اور کے اثر میں نہ آئیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ (راست گوئی کی تحسین کرتے ہوئے) خدا آپ کے دین کی مدد کرے گا۔

(روض الانف بحوالہ قاسم بن ثابت)

مسلمانوں کے مسلمان قاتل

(خواجہ راحت حسین۔ اکبرآبادی)

نرائن گنج (مشرقی بنگال)، جوٹ مل کے فساد میں تقریباً چھ سو مسلمان خود مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ کاش ان مسلمانوں کے قاتل مسلمانوں کو یہ معلوم ہوتا کہ ان کا یہ فعل اسلام کی نظر میں کیسا ہے؟

قرآن کریم میں سورۂ نساء میں ہے:

"جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے تو اس کی سزا دائمی دوزخ ہے، اللہ کا غضب ہے اس کی لعنت ہے، اور بڑا ہی دردناک عذاب ہے جو اس کے لئے تیار ہو چکا ہے" (۴: ۹۵)

حدیث شریف میں آیا ہے "مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کفر ہے" (بخاری و مسلم)

آنحضرت صلعم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا: "میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ تم میں سے ہر ایک دوسرے کی گردن اڑانے لگے" (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کبھی اپنے بھائی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کیا کرو، ممکن ہے کہ ہتھیار لگ جائے اور تم جہنم کے گڑھے میں گر پڑو۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا، "اللہ کی نظر میں تمام دنیا کے زوال سے بھی بڑھ کر جو چیز ہے وہ ایک مسلمان کا قتل ہونا ہے" (ترمذی)

ایک مسلمان کے لئے شرک کے بعد اس سے بڑھ کر اور کوئی کفر نہیں ہو سکتا کہ اپنے مسلمان بھائی کے خون سے ہاتھ رنگین کرے۔

اسلام نے قومیت کی بنیاد مواخات پر رکھی ہے۔ یعنی ہر مسلمان کا شرعی رشتہ دوسرے مسلمان سے بھائی کا رشتہ ہے، قرآنِ کریم فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ اور فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ (۴۹: ۱۰)

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس جب دو بھائیوں میں رنجش ہو جائے تو صلح کرا دو۔

مسلمانوں کی سیرت قرآنِ کریم نے یہ بتائی، کہ

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (۴۸: ۲۹) یعنی (مسلمان) کفار پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ ہر مسلمان پر نماز روزہ سے بھی بڑھ کر جو چیز فرض کی گئی، وہ یہی ہے کہ مسلمانوں سے محبت کرے، جہاں تک ہو سکے ان کی بھلائی چاہے اور کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔

۱۔ کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے بھائی مسلمان کے لئے پسند کرے۔

۲۔ تم کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لاؤ اور کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت اور پیار نہ کرو۔

۳۔ مسلمان وہ ہے کہ اس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچے (بخاری)

۴۔ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ تین دن سے زائد کسی مسلمان سے روٹھا رہے۔

(باقی برصفحہ ۸)

نور کی پیدائش

(علی احمد)

(۱)

(آمنہ بنت وہب کا مکان - آمنہ اور ان کی باندی برکہ (ام یمن))

برکہ:- میری مالکہ آج میں آپ کو ہرگز کوئی کام نہ کرنے دوں گی۔

آمنہ:- نہیں برکہ! میں بالکل اچھی ہوں میں بھی کام کاج میں تھوڑا بہت تمہارا ہاتھ بٹاؤں۔

برکہ:- نہیں، نہیں، میرا ہاتھ بٹانے کی ضرورت نہیں۔ یہ آپ کے نویں مہینے کے آخری دن ہیں آرام کرنا آپ کیلئے بہت ضروری ہے۔

آمنہ:- لیکن مجھے کوئی گرانی یا تکلیف نہیں۔ بلکہ اور دنوں کے مقابلہ میں آج میں کچھ زیادہ فرحت محسوس کر رہی ہوں۔

برکہ:- میری مالکہ! آپ کی تو حالت ہی عجیب ہے۔ کیا آپ ہمیشہ کسی غیبی منادی کی آواز نہیں سنتیں؟

آمنہ:- برکہ میں تو ہر رات سنتی ہوں۔

برکہ:- گذشتہ رات آپ نے اسے کیا کہتے سنا؟

آمنہ:- یہ کہتے ہوئے سنا کہ "اے آمنہ بنت وہب! اس امت کا سردار تیرے پیٹ میں ہے۔ جوں ہی وہ پیدا ہو یہ کہنا کہ میں ہر حسد کرنے والے کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اسے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں"

برکہ:- آپ اجازت دیں تو میں نوفل کی بیٹی قتیلہ کو بلا لاؤں اپنے بھائی ورقہ ابن نوفل کے علم کا کچھ حصہ قتیلہ کو بھی ملا ہے، شاید وہ بتا سکے کہ یہ کیا راز ہے؟

آمنہ:- نہیں مجھے اس کے یا اس کے بھائی کے علم کی کوئی ضرورت نہیں۔

برکہ:- میری مالکہ! جب بھی قتیلہ سے ملاقات ہوتی ہے وہ ہمیشہ مجھے آپ کے اور آپ کے حمل کے بارے میں بڑے انہماک و توجہ سے سوالات کرتی ہے۔ اگر میں اسے یہاں بلا لاؤں تو کیا نقصان ہے؟

آمنہ:- برکہ! کیا تجھے نہیں معلوم کہ قتیلہ بھی عبداللہ کی بیوی ہے اور وہ میرے اس حمل سے جلتی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ حمل اس کا حق تھا جسے میں نے چھین لیا ہے۔

برکہ: لیکن اب تو وہ آپ سے بجائے حسد کے محبت کرتی ہے۔ جب بھی آپ کے بارے میں مجھ سے کچھ پوچھتی ہے تو اس کے سوالات سے محبت و خلوص ظاہر ہوتا ہے۔

آمنہ:- (ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے) اب اس کی حالت کچھ بھی ہو۔ بہرحال عبداللہ کی وفات کے ساتھ ہی ہمارا تعلق اس سے ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔

برکہ:- ہائے میرا آقا عبداللہ۔ افسوس ہمیشہ بکریاں چراتا رہا اور قبل اسکے کہ کسی خوشی کا منہ دیکھے جوانی میں اللہ کو پیارا ہوا۔

آمنہ:- کاش وہ اتنے دن اور زندہ رہتے کہ اپنے اس بچے کو ایک دن ہی دیکھ لیتے۔ آہ برکہ! اگر مجھے یہ آواز سنائی نہ دیتی جو ہمیشہ خوشخبری دیتے ہوئے میری غمخواری کرتی رہتی ہے، اور اگر مجھے اس بات کی حرص نہ ہوتی کہ میرے پیٹ سے عبداللہ کی کوئی نشانی اس دنیا میں باقی رہ جائے تو عبداللہ کی موت کا غم مجھے ہرگز جانبر نہ ہونے دیتا۔

برکہ:- بیشک، مالکہ آپ کی یہ مصیبت تمام مصائب سے سوا ہے۔

آمنہ:- لیکن میرے اس ضبط وصبر کو دیکھ کر قریش کی عورتیں مجھے ملامت کرتی ہیں اور اسے میری بے وفائی پر محمول کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ عبداللہ جیسا خوبصورت شخص بنی ہاشم میں سے آج تک مکہ کی سرزمین میں پیدا نہیں ہوا۔ اور اگر ہم میں سے کوئی عورت اس طرح اس کے غم میں گرفتار ہوئی ہوتی تو اس کی وفات کے بعد ایک روز بھی زندہ نہ رہتی۔ خدایا مجھے ان عورتوں کو انہیں میرے قلب کی کیفیت کا کیا علم؟ انہیں ان غیبی آوازوں کی کیا خبر جو مجھے ہر رات بشارت دیتی رہتی ہیں، اور اگر میں ان سے ان باتوں میں سے کسی ایک کا بھی اظہار کر دوں تو یقیناً وہ اسے جنون یا افترا سے متہم کریں۔

برکہ:- (غیر متوقع طور سے) مالکہ مالکہ! وہ قتیلہ آ رہی ہے۔

آمنہ:- قتیلہ!

برکہ:- ہاں۔

آمنہ:- برکہ اسے خوش آمدید کہو اور عزت کے ساتھ اس کا استقبال کرو۔

قتیلہ:- (اندر آکر) صبح بخیر اے آمنہ

آمنہ:- خوش آمدید قتیلہ۔ خدا تمہیں سلامت رکھے۔ میرے متعلق تمہارے تفتیشِ حال کی خبر، برکہ ہمیشہ مجھ تک پہنچاتی رہتی ہے۔

قتیلہ:- بنت وہب! اللہ تمہاری حفاظت فرمائے۔ آج مجھے اس کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ خود آکر تمہاری اور تمہارے مبارک ومسعود بچے کی خیریت معلوم کروں۔

آمنہ:- وہ ابھی پیدا ہی کب ہوا ہے۔

قتیلہ: آمنہ۔ وہ آج ہی پیدا ہوگا میرے بھائی ورقہ بن نوفل نے گذشتہ رات ایک سرخ ستارہ دیکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ اس نبی کے تولد کی علامت ہے جس کا ساری انسانیت کو انتظار ہے اور انہی نے مجھے دریافتِ حال کے لئے بھیجا ہے۔

آمنہ:- کیا ورقہ ہی نے تم سے یہ باتیں کہی ہیں۔

قتیلہ:- ہاں۔ اور میرا تو خیال تھا کہ وہ بچہ پیدا ابھی ہو چکا ہوگا۔

برکہ:- لیکن میری مالکہ کو آج تو کوئی تکلیف نہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ دردِ زہ کب شروع ہوگا۔

قتیلہ:- اگر یہ وہی بچہ ہے تو ناممکن ہے کہ آج دردِ زہ نہ ہو۔ ورنہ وہ بچہ پھر کسی اور گھر کا ہوگا۔

برکہ:- کسی اور گھر تو وہ بچہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میری مالکہ ہر رات بشارت آگیں غیبی آوازیں سنتی ہیں۔

آمنہ:- برکہ! چھوڑو اس تذکرہ کو۔

قتیلہ:- غیبی آوازیں! آمنہ! مجھ سے یہ باتیں کیوں چھپاتی ہو؟ بہن! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اس شرف کو مجھ سے چھین لینے کی وجہ سے میں اب تک تم سے جلتی ہوں۔ ربِّ کعبہ کی قسم ایسی بات ہرگز نہیں۔ اللہ نے تمہیں اس

سعادت کے لئے منتخب فرمایا اور جو ہونا تھا ہو چکا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے مقابلہ میں تم اس سعادت کی زیادہ مستحق تھیں، اس لئے کہ تم عبداللہ کی بیوی تھیں اور وہ تمہارے شوہر ہیں۔ تو ایک اجنبی عورت تھی اور میں نے تو انہیں محض اس لئے اپنے جسم کی دعوت دی تھی کہ بجائے تمہارے میں ان سے اس نعمت کو حاصل کر سکوں۔ اچھا آمنہ یہ بتاؤ کہ یہ غیبی بشارت دینے والے تم سے کیا کہتے ہیں؟

آمنہ:۔ قتیلہ، صرف ایک غیبی منادی ہے جس نے مجھے بہت سی باتیں بتائیں۔ کچھ تو مجھے یاد ہیں اور کچھ بھول گئی۔

برکہ:۔ مالکہ! گذشتہ رات آپ نے جو سنا ہے وہ بتا دیجئے۔

قتیلہ:۔ ہاں۔ گذشتہ رات اس نے تم سے کیا کہا تھا؟

آمنہ:۔ یہ کہا تھا کہ "اے آمنہ بنت وہب" اس امت کا سردار تیرے پیٹ میں ہے جونہی وہ پیدا ہو یہ کہنا کہ میں ہر حسد کرنے والے کے فتنے سے محفوظ رکھنے کے لئے اسے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں۔

قتیلہ:۔ مبارک ہو آمنہ۔ یقیناً یہ وہی بچہ ہے، وہی نبی منتظر۔ مجھے یقین تھا کہ میری آنکھیں مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں میں نے عبداللہ کی پیشانی میں روشن ستارے جیسا ایک نور دیکھا تھا۔ ایک رات جب وہ تمہارے پاس سے لوٹ کر میرے پاس آئے تو میں نے وہ نور نہ پایا۔ اس لئے کہ وہ تمہارے پیٹ میں منتقل ہو چکا تھا۔ تمہارے پیٹ میں یہ وہی بچہ ہے اور وہ لامحالہ آج پیدا ہو کر رہے گا۔

آمنہ:۔ (آہستہ سے کراہتے ہوئے) آہ!

برکہ:۔ مالکہ! کیا بات ہے۔ کیا کچھ تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

آمنہ:۔ کچھ نہیں برکہ! خفیف سا درد ریڑھ کی ہڈی میں رینگتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔

قتیلہ:۔ برکہ! جاؤ کسی دایہ کو بلا لاؤ۔ مجھے اچھی طرح دایہ کا کام نہیں آتا۔ کاش یہ کام مجھے اچھی طرح آتا

برکہ:۔ بہن یہ کام میں بھی نہیں جانتی

قتیلہ:۔ فوراً جاؤ اور "شفاء" نامی دایہ کو بلا لاؤ۔ مکہ میں اس سے بہتر کوئی دایہ نہیں۔ کیا تمہیں اس کا گھر معلوم ہے؟

برکہ:۔ ہاں میں اس کا گھر جانتی ہوں۔ میرے لوٹنے تک تم مالکہ کے پاس رہنا۔

قتیلہ:۔ میں تو یہاں سے اس وقت تک نہ ٹلوں گی جب تک اس مبارک بچے کو نہ دیکھ لوں۔

(برکہ چلی جاتی ہے)

آمنہ:۔ قتیلہ!

قتیلہ:۔ کیا ہے آمنہ؟

آمنہ:۔ اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ تم نے مجھے موہ لیا۔ مجھے بڑی خوشی ہے۔

قتیلہ:۔ بنت وہب! اللہ تمہیں برکت دے۔ اگر میں اس بچے کی ماں نہ ہو سکی تو کم از کم میں ہی وہ پہلی عورت ہوں گی جس کی نظر سب سے پہلے اس بچے پر پڑے گی

(۲)

(کعبہ کے قریب ایک پتھریلی زمین پر عبدالمطلب تنہا بیٹھے ہوئے ہیں)

(مغیرہ مخزومی اور وائل سہمی آتے ہیں)

مغیرہ:۔ دیکھو عبدالمطلب تنہا بیٹھے ہیں۔ وائل آؤ ان کے

پاس چل کر بیٹھیں۔

وائل :- ان کے پاس چل کر کیا کریں گے۔ وہ تو اپنے بیٹے عبداللہ کے غم میں ایسے کھوئے ہوئے ہیں گویا اس سے قبل کسی کے بیٹے کا انتقال ہی نہیں ہوا۔

مغیرہ :- واقعی تم نے سچ کہا۔ انہیں چھوڑو۔ چلو کچھ اپنی باتیں کریں۔ ارے دیکھو عبدالمطلب کے بیٹے ابوطالب آ رہے ہیں۔

وائل :- چھوڑو۔ اپنے باپ کی غمخواری کے لئے آ رہے ہیں۔ (دُور چلے جاتے ہیں)

ابوطالب :- والد بزرگوار! صبح بخیر، آپ یہاں تنہا بیٹھے ہیں؟

عبدالمطلب :- ہاں بیٹا۔

ابوطالب :- آپ کی آنکھوں سے تو آنسو بھی بہہ رہے ہیں؟

عبدالمطلب :- قریش میں سے کسی نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو نہیں؟

ابوطالب :- نہیں تو وہ تو آپ سے علیحدہ بیٹھے ہیں اور دیکھ بھی لیں تو کیا۔ انہیں آپ سے کیا مطلب؟

عبدالمطلب :- نہیں بیٹے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ عبداللہ کے لئے میری اس گریہ وزاری کو دیکھیں۔ اس لئے کہ وہ مجھے ملامت کرتے ہیں۔ اے عبدالعزیٰ یہ لوگ بڑے سنگدل ہیں۔

ابوطالب :- حقیقت تو یہ ہے کہ تھوڑی بہت ملامت کے آپ مستحق بھی ہیں۔

عبدالمطلب :- افسوس اے عبدالعزیٰ۔ میں تمہیں تو ان کی طرح سنگدل نہ سمجھتا تھا۔

ابوطالب :- میں تو سنگدل نہیں ہوں۔ لیکن عبداللہ میرا بھی بھائی تھا۔ وہ جا چکا اور اب کبھی لوٹ کر نہ آئے گا اس کی وفات کو قریب قریب ایک سال گذر چکا۔ اب آپ کب تک اس پر گریہ وزاری کرتے رہیں گے؟

عبدالمطلب :- میرے بیٹے! میرے دل میں روزانہ اس کا غم تازہ ہوتا رہتا ہے۔

ابوطالب :- عبداللہ مر گیا تو کیا ہوا۔ آپ کے اور بیٹے تو زندہ ہیں اور سب آپ کے معاون و مددگار ہیں۔ عبداللہ آپ کے لئے کوئی ایسا کام نہ کر سکتا تھا جسے ہم نہ کر سکتے ہوں۔

عبدالمطلب :- آہ عبدالعزیٰ! خدا کی قسم عبداللہ کا غم مجھے اس وجہ سے نہیں جو تم سمجھے ہو۔ ورنہ یقیناً تم لوگ اس کا عوض ثابت ہوتے۔ عبداللہ نہ تم سے زیادہ قوی تھا اور نہ مستعد و بہادر لیکن اس روزمرہ کی زندگی سے بالاتر عبداللہ میں ایک عجیب شان تھی۔

ابوطالب :- آپ کا کیا مطلب ہے؟

عبدالمطلب :- میں تمہارے سامنے وہ باتیں کیا دہراؤں جنہیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔ اور تم اس قابل ہو کہ خود بھی ان باتوں کو سمجھ سکتے ہو۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح سو اونٹ عبداللہ کے فدیے میں دیئے گئے۔

ابوطالب :- ہاں دیکھا ہے۔

عبدالمطلب :- کیا تمہیں نہیں معلوم کہ آمنہ بنت وہب سے اس نے کس طرح شادی کی اور چند روز بھی اس کے ساتھ نہ گذار سکا۔

ابوطالب :- معلوم ہے۔

عبدالمطلب:- اور کیا تمہیں اس سفر کا حال نہیں معلوم جس سے وہ لوٹ کر نہ آسکا؟

ابوطالب:- معلوم ہے۔

عبدالمطلب:- تو پھر کوئی خاص مصلحت ہی تھی کہ عبداللہ کی زندگی کے لئے فدیہ دیا گیا۔ پھر اس میں بھی کوئی خاص بات تھی کہ شادی کے بعد اس نے سفر کیا اور اس میں ختم ہو گیا۔ اسے بھی چھوڑو، دو مہینے کی بات ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے ابابیل کے ذریعہ اصحاب فیل کو کس طرح تباہ و برباد کیا!

ابوطالب:- والد بزرگوار آپ نے سچ فرمایا۔ یقیناً ان تمام امور میں ایک گونہ خصوصیت تھی اور یقیناً وہ اس قابل ہے کہ آپ ہر فوت ہونے والے سے بڑھ کر اس کا غم کریں۔ ہو سکتا ہے کہ آمنہ کے کوئی لڑکا پیدا ہو جس سے آپ محبت فرمائیں اور جو اپنے باپ سے بھی برتر ثابت ہو

عبدالمطلب:- ہاں ہاں خدا کی قسم اگر آمنہ کے لڑکا ہوا تو میں اس کا نام محمد رکھوں گا۔ محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب

ابوطالب:- دیکھئے وہ آمنہ کی لونڈی برکہ آرہی ہے۔

عبدالمطلب:- برکہ آؤ کیا خبر لائیں؟

برکہ:- میرے آقا خوش ہو جایئے، میری مالکہ کے لڑکا پیدا ہوا ہے

عبدالمطلب:- (بے انتہا خوش ہو کر) اے اللہ تو تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔ اے اللہ تو تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔

(۳)

(آمنہ کے گھر میں)

ام عاص:- شفاء! مجھے بھی بچہ دکھاؤ۔

شفاء:- ام عاص! ابھی تو آپ نے دیکھا ہے۔ بس اب دیکھ چکیں۔

ام عاص:- میں چاہتی ہوں جی بھر کر اس بچے کو دیکھوں کیسا خوبصورت بچہ ہے۔ میں نے آج تک ایسا خوبصورت بچہ نہیں دیکھا۔

قتیلہ:- (بڑبڑاتے ہوئے) یہ وہی ہے۔ یہ وہی ہے۔

ام عاص:- تعجب ہے بکری کے بچے کی طرح بالکل پاک و صاف پیدا ہوا ہے۔ بدن پر کوئی گندگی نہیں۔

قتیلہ:- یہ وہی ہے۔ یہ وہی ہے۔

شفاء:- ام عاص! تھوڑی دیر کے لئے تو اسے چھوڑو۔

ام عاص:- ارے دیکھو اس کے تو سرمہ لگا ہوا ہے اور دیکھو یہ تو ختنہ شدہ بھی ہے۔

قتیلہ:- یہ وہی ہے۔ یہ وہی ہے

ام عاص:- تعجب ہے وہ آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا ہے

قتیلہ:- یہ وہی ہے۔

ام عاص:- قتیلہ آخر کون ہے یہ؟

قتیلہ:- یہ وہی ہے وہ نبی جس کا انتظار تھا۔

دو عورتیں:- نبی منتظر؟

قتیلہ:- ہاں۔ کیا تم نے وہ نور نہیں دیکھا جو اس کے ساتھ پیدا ہوا تھا۔

شفاء:- ہاں۔ میری تو آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔

ام عاص:- میں نے بھی تھوڑی دیر کے لئے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تھی، مجھے تو مشرق و مغرب روشن نظر آیا تھا۔

شفاء:- آمنہ تم کیوں خاموش ہو؟ کیا تم نے قتیلہ کی بات نہیں سنی

آمنہ:- ہاں ہاں سن لی۔

شفا:- تمہاری طبیعت کیسی ہے کیا کوئی درد ہے؟

آمنہ:- نہیں تو کوئی درد نہیں۔ برکہ کہاں ہے؟

شفا:- بچے کے باپ کو خوشخبری دینے گئی ہے۔

آمنہ:- (قدرے غمناک ہوکر) بچے کے باپ کو؟

شفا:- ہاں اس کے بابا عبدالمطلب کو۔

آمنہ:- سچ ہے عبدالمطلب ہی اس کے باپ ہیں اور کتنے شریف باپ ہیں۔

ام عاص:- لو وہ آگئی

عبدالمطلب:- (اندر آتے ہیں) آمنہ! کیسی ہو؟

آمنہ:- بخیریت ہوں چچا جان!

عبدالمطلب:- (خوشی میں) میرا بیٹا! یہ میرا بیٹا ہے۔ "محمد" آج میں کتنا خوش ہوں۔

آمنہ:- لیکن مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ اس کا نام احمد رکھوں۔

عبدالمطلب:- کیا تمہیں ہاتف (غیبی منادی) نے یہ حکم دیا ہے؟

آمنہ:- ہاں۔

عبدالمطلب:- تو یہ احمد بھی ہے اور محمد بھی۔ احمد اللہ کے نزدیک اور محمد لوگوں میں۔ شفا! کیا میں اسے لے جا سکتا ہوں؟

شفا:- ہاں ہاں لے ابو الحارث! لیکن ذرا نرمی و آہستگی سے

عبدالمطلب:- (بچے کو اٹھا لیتے ہیں) آمنہ! یہ تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔ دیکھو مجھ سے چمٹا جا رہا ہے۔ خدا کی قسم میں اسے اسی وقت کعبہ میں لئے جاتا ہوں اور اللہ سے دعا کروں گا کہ اسے مبارک و مسعود بنائے۔

شفا:- ذرا سنبھال کر عبدالمطلب!

عبدالمطلب:- ہاں ہاں شفا! میرا بیٹا ہے۔ میرا محبوب ہے بڑی شان والا ہے۔ آمنہ تم فکر نہ کرو۔ میں ابھی لوٹ کر آتا ہوں۔ (باہر چلے جاتے ہیں)

قتیلہ:- تعجب ہے کہ عبدالمطلب کو بھی اس کا حال معلوم ہے میں ابھی اپنے بھائی ورقہ سے جا کر کہتی ہوں۔ وہ یہ خبر سن کر بہت خوش ہوں گے۔

(۴)

(کعبہ کے پاس ایک حجرہ میں)

ورقہ:- ابوالحارث! اے عبدالمطلب! ٹھیرو تو!

عبدالمطلب:- کون ہے؟ (مڑکر دیکھتے ہیں) ورقہ بن نوفل .... آؤ آؤ ورقہ مجھے مبارکباد دو۔

ورقہ:- (قریب آکر) کیا صرف تمہیں مبارکباد دوں؟ میں تو ساری دنیا کو مبارکباد دیتا ہوں۔

عبدالمطلب:- کس بات کی؟

ورقہ:- اسی بچے کی جسے تم گود میں لئے ہو۔

عبدالمطلب:- ورقہ! یہ میرا بیٹا ہے۔ عبداللہ کا بیٹا ہے۔ آمنہ بنت وہب کا بیٹا ہے۔

ورقہ:- ہاں ہاں۔ ابوالحارث مجھے بھی تو دکھاؤ۔ میں بھی تو دیکھوں

عبدالمطلب:- دیکھو۔ کتنا خوبصورت ہے۔ کیسا حسین ہے اور کتنا باوقار ہے۔

ورقہ:- ہاں یہ وہی ہے۔ خدا کی قسم تمہارا یہ بیٹا ایک خاص شان کا مالک ہے۔ ابوالحارث! تم اسے کہاں لئے جا رہے ہو؟

عبدالمطلب:- کعبہ کے اندر۔ عبدالعزیٰ ذرا بڑھ کر کعبہ کا دروازہ کھول دو۔

ابوطالب:- بہت اچھا جوحکم (کعبہ کے دروازہ کی طرف جاتے ہیں)

ورقہ:- ابوالحارث! ایسا ہرگز نہ کرو۔

عبدالمطلب:- کیا تم کعبہ کو میرے بچے سے دُور رکھنا چاہتے ہو۔

ورقہ:- نہیں عبدالمطلب بلکہ میں تمہارے بچے کو ان بتوں سے دور رکھنا چاہتا ہوں جو کعبہ میں رکھے ہوئے ہیں۔

عبدالمطلب:- اے بددین (گمراہ) اپنے آبائی دین کو تم اپنے پاس ہی رکھو۔ خدا کی قسم میں اسے لے کر ضرور کعبہ کے اندر جاؤں گا اور وہاں اللہ سے اس کے لئے دعا کروں گا۔

ورقہ:- ابوالحارث! یہیں کعبہ سے باہر اس کے لئے اللہ سے دعا کرلو۔

عبدالمطلب:- خدا کی قسم میں تو کعبہ کے اندر جاکر ہی اس کے لئے دعا کروں گا۔ اے عبدالعزیٰ تجھے کیا ہوگیا؟ کیا تو بھی مرتد ہوگیا؟

ابوطالب:- (کعبہ میں داخل ہوکر) والد محترم۔ ایک بڑی ہولناک بات ہے۔

عبدالمطلب:- کیا ہوا؟

ابوطالب:- یہ معبود (بُت) اے اباجان! یہ معبود۔

عبدالمطلب:- کیا ہوا انہیں؟

ابوطالب:- سب زمین پر اوندھے پڑے ہوئے ہیں!

عبدالمطلب:- ہُبل بھی؟

ابوطالب:- جی ہاں ہبل بھی۔

عبدالمطلب:- ہیں! ایسی تعجب خیز بات تو میں نے کبھی نہیں سُنی۔

ورقہ:- عبدالمطلب! تعجب نہ کرو اس لئے کہ جس بچے کو تم گود میں لئے ہو وہ ان سب کا دشمن ہے۔

عبدالمطلب:- نوفل کے بیٹے! اپنی خرافات رہنے دو۔ (ابوطالب سے) بیٹے! ہمارے اندر جانے سے پہلے ان سب کو یا کم از کم ہبل کو ٹھیک کردو۔

ابوطالب:- بہت اچھا ابھی کئے دیتا ہوں

ورقہ:- اے ہاشم کے بیٹے! میری نصیحت مان جاؤ۔ کسی طرح یہ مناسب نہیں کہ اس بچے کو تم بتوں کے پاس لے جاؤ

عبدالمطلب:- ورقہ! مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ تم نے مجھ کو پاگل بنادیا ہے۔

ابوطالب:- (کعبہ کے دروازہ پر آکر) میں نے ہبل کو سیدھا کردیا ہے۔

عبدالمطلب:- اچھا کیا (دروازے کے قریب ہوتے ہیں) اے اللہ تیرے نام سے (کعبہ کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔ بچہ ایک دم چیخنے لگتا ہے)

ابوطالب (دروازے پر) والد محترم۔ وہ تو بیقرار ہوکر چیخ رہا ہے۔

عبدالمطلب: (ان کی آواز سُن کر) یہ بچہ تو بڑا جری دبا دتا تھا۔ یہ یہاں کیوں رویا۔

ابوطالب:- شاید یہ معبود اسے پسند نہیں کرتے۔ ممکن ہے اسے کوئی تکلیف پہنچائیں۔

عبدالمطلب:- میرے بیٹے! ورقہ کی طرح بددین نہ بن۔ یہ بچہ صاحب شان ہے، باعثِ برکت ہے اور اللہ

کی نشانی ہے معبود اسے کیوں تکلیف پہنچانے لگے۔

ابوطالب:- تو آپ اسے وہاں سے لیکر نکل آئیں۔ اگر وہ چُپ ہوگیا تو ہم سمجھیں گے کہ یہ معبود ہی اس کے رونے کا سبب تھے۔

ابوطالب:- دیکھئے۔ آنسو آنکھوں میں ہیں اور وہ مسکرا رہا ہے

ورقہ:- ابوالحارث! میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا۔

عبدالمطلب:- تو کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ معبود اسے تکلیف دے رہے تھے؟

ورقہ:- نہیں یہ معبود تو مچھر کے پر کے برابر بھی کسی کو تکلیف نہیں دے سکتے۔ لیکن یہ بچہ نہ انہیں پسند کرتا ہے اور نہ انہیں کعبہ میں دیکھ سکتا ہے۔ اے عبدالمطلب! خدا اور اس مقدس گھر کی قسم جب یہ جوان ہوگا تو ایک دن ان بتوں کو توڑ ڈالے گا اور کعبہ کو ان کی نجاست سے پاک کردے گا

عبدالمطلب:- لیکن میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کعبہ کے اندر پہنچکر اللہ سے اس کے لئے دعا کروں۔

ورقہ:- تو پہلے ان بتوں کو یہاں سے ہٹا دو۔

عبدالمطلب:- یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ قریش مجھے کیا کہیں گے؟ یہی نا کہ ورقہ بن نوفل کی طرح عبدالمطلب بھی بددین ہوگیا۔

ورقہ:- تو پھر کعبہ کے باہر ہی سے دعا کرلو۔

عبدالمطلب:- ہاں یہی کرتا ہوں (گڑگڑاتے ہوئے) "اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ اچھا اور خوش نصیب بچہ عنایت فرمایا ہر حاسد و بدخواہ کے شر سے میں اسے اس ستونوں والے (خدا کے) گھر کی پناہ میں دیتا ہوں۔"

ابوطالب:- والد محترم! بچے کی طرف دیکھئے۔ چودھویں رات کے چاند کی طرح کیسا کھِل رہا ہے۔ گویا آپ کے ساتھ ساتھ خود بھی دعا کر رہا ہو۔

عبدالمطلب:- ہاں کتنا حسین و خوبصورت ہے۔ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں، میرے محبوب بیٹے!

ورقہ:- اب اسے ماں کے پاس پہنچا دیجئے۔

عبدالمطلب:- ہاں دودھ پلانے کے لئے شاید وہ اس کی بےچینی سے منتظر ہوگی۔ آؤ عبدالعزیٰ تم بھی میرے ساتھ آمنہ کے پاس چلو۔

ابوطالب:- آپ چلئے میں بھی آتا ہی ہوں۔

عبدالمطلب:- کیوں بیٹا؟ ساتھ کیوں نہیں چلتے؟

ابوطالب:- مناسب یہ ہے کہ میں ان بتوں کو اپنی اپنی جگہ ٹھیک کردوں تاکہ قریش دیکھ کر ہمارے متعلق چہ میگوئیاں نہ کرنے لگیں۔

عبدالمطلب:- مناسب ہے۔ عبدالعزیٰ سنو! اور ورقہ ابن نوفل تم بھی، ہبل اور دوسرے معبودوں پر جو کچھ گذری خبردار کسی سے نہ کہنا۔ ورنہ حقیقت پر یقین کرنے کے بجائے وہ سمجھیں گے کہ ہم ہی نے ایسا کیا ہوگا۔

ورقہ:- ہاں بچے کی سلامتی کے لئے بھی اس واقعہ کی راز داری بہت ضروری ہے۔

عبدالمطلب:- ابن نوفل! اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔

ورقہ :- جو ہونا ہے اسے قریش عنقریب دیکھ اور سُن لیں گے۔ مبارک ہوں گے وہ لوگ جو اس پر ایمان لائیں گے اور بدبخت ہوں گے وہ جو کفر کرتے ہوئے اس کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کریں گے۔

عبدالمطلب :- ورقہ! کیا میرے بیٹے کی یہ کیفیت ہوگی؟

ورقہ :- ہاں، اس کی قوم اسے شہر بدر کرے گی لیکن اس کا کام روزافزوں ہوگا۔

عبدالمطلب :- میرے ماں باپ قربان، کیا یہ لوگ اسے شہر بدر کرینگے؟

ورقہ :- ہاں۔ خدا کی قسم، مَیں جو کچھ اس وقت کہہ رہا ہوں ایسا ہی ہوگا۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو مقدور بھر اس کی اعانت کروں گا۔

عبدالمطلب :- ورقہ! اللہ تمہیں برکت دے۔ اگرچہ قریش کی طرف سے تم نے مجھے خوفزدہ کر دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم نے میری مسرّتوں میں اضافہ کر دیا ہے۔

ورقہ :- یہ اسمٰعیل کا بیٹا ہے۔ ابراہیم کی دعا ہے اور ابراہیم و اسمٰعیل کا پروردگار یقیناً اس کی حفاظت فرمائیگا۔

عبدالمطلب :- اور قریش؟

ورقہ :- قریش کی باتیں چھوڑو۔ ایک زمانہ آئے گا کہ قریش ختم ہوجائینگے اور نام ونشان اگر باقی رہیگا تو اسی بچہ کے خاندان سے۔

سرزمینِ مصر کا ایک اصلاحی قصہ چودھویں قسط

نجمہ

(معراج محمد بارق)

(گزشتہ اقساط کا خلاصہ)

...... اپنے گھر والوں کے خلافِ مرضی نجمہ "انجمن بنات المسلمین" میں شریک ہو کر اسلام کے تحت زندگی گزارنے لگی۔ اس کے والد محمد شاکر نہایت نیک آدمی تھے۔ انہیں نجمہ کا یہ اقدام پسند تھا لیکن اس کی والدہ زینت بیگم اور بہن نسیمہ اور ایک بھائی سمیع یہ سب اس کے خلاف تھے۔ البتہ اس کی سہیلی ثریا اور رضیہ اور اس کا بھائی حسن اس سے کافی متاثر تھے۔ نجمہ کی والدہ نے اس کی شادی ایک رنگیلے نوجوان محسن سے کر دی۔ یہ دونوں "ماہِ عسل" گزارنے دیہات گئے اور باقی گھر والے اسکندریہ چلے گئے اور سمندر کے کنارے ایک مکان لے لیا۔ نجمہ کے والد بیمار تھے۔ دیہات سے واپسی پر وہ دونوں اسکندریہ چلے گئے۔ نسیمہ نے اسے بتایا کہ ثریا اور رضیہ بھی یہیں آئی ہوئی ہیں۔ یہ خبر ملتے ہی اس نے ان کو بلوا بھیجا۔

اُس دن شام کو رضیہ اپنی والدہ کے ساتھ شاکر صاحب کی بیمار پُرسی کو آئی۔ اس وقت نجمہ اپنی بہن نسیمہ کے ہمراہ کوٹھی کے باغ میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ اس نے وہی طویل جُبّہ پہن رکھا تھا۔ اس کے سر پر ایک موٹا کساوہ تھا جس سے اس کے کان اور گردن وغیرہ ڈھک گئے تھے۔

رضیہ کو مالی کے ذریعہ جیسے ہی معلوم ہوا کہ وہ باغیچہ میں ہے فوراً اس کی طرف لپکی اور بڑے اشتیاق سے ملی۔ وہاں وہ اس کے قریب کی کرسی پر بیٹھ گئی اور نہایت مسرت آمیز لہجہ میں کہنے لگی:

—— خوب آئیں نجمہ! ہمیں معلوم بھی نہ ہوا...... یہاں کب پہنچیں؟

—— صبح ہی اُتری ہوں۔ میں نے ملازم کے ہاتھ آپ کو اطلاع بھی بھجوائی تھی، لیکن آپ وہاں ملیں نہیں۔

—— مجھے بہت افسوس ہے، میں دراصل محمودہ سے ملنے چلی گئی تھی اور اتفاق سے آج وہاں آپ کا ہی ذکر چل پڑا۔

—— ہائیں! اُستانی محمودہ! کیسی پیاری سہیلی ہے اب ان کا کیا حال ہے؟

—— مزے میں ہیں۔ وہ اب تک اُسی طرح میزبانی میں مشغول رہتی ہیں۔ آپ کے بارے میں بہت پوچھتی ہیں۔ اور خوب تعریف کرتی ہیں۔ آج میری کالج کی سہیلی کے سامنے انہوں نے آپ کی بہت تعریف کی۔

کالج کا نام سنکر نسیمہ بیچ میں بول پڑی۔ کہنے لگی:

—— مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارا کالج چھوڑنے کا ارادہ ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

—— "ہاں آپ نے بالکل ٹھیک سنا" رضیہ نے اس کی طرف مڑتے ہوئے کہا "میں آئندہ سال کے شروع ہوتے ہی وہاں جانا بند کر دوں گی"۔

یہ سُنکر نسیمہ حیران و ششدر رہ گئی، لیکن پھر اُسے یاد آیا کہ اس کا بھائی حسن کالج کی مخلوط تعلیم کا بہت مخالف تھا، وہ کالج میں لڑکے لڑکیوں کے اس آزادانہ میل جول کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ یہ سوچ کر اس نے پوچھا،

—— کیا میرے بھائی کی وجہ سے؟

—— اس لئے بھی..... اور اس لئے کہ جب میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس طرح عورت پر صریح ظلم ہو رہا ہے، اس کو یہ تعلیم محض اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ آئندہ مردوں کے ساتھ شریک ہو کر ان کے سے کام کرے، گھر سے باہر رہ کر اپنی روزی تلاش کرے، حالانکہ یہ کام مردوں کا ہے، عورت کا کام گھر بار سنبھالنا ہے۔ اس طرح گویا ہم پر صریح ظلم ہو رہا ہے کہ ہم اپنی روزی خود پیدا کریں۔

یہ خلافِ توقع باتیں سُنکر نسیمہ ہکا بکا رہ گئی، اس کی آنکھیں غم و غصہ میں لال پیلی ہو گئیں۔ کیونکہ اسے وہ دن یاد آگئے جبکہ رضیہ اسکے دوش بدوش "انجمن خواتینِ مصر" میں شریک تھی اور ان نظریات کی سخت دشمن تھی نسیمہ بولی:

—— رضیہ! تم یہ کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ کبھی تم سے یہ رجعت پسندانہ خیالات بھی سُننے پڑیں گے۔ کیونکہ جب تم ہماری "انجمن" میں تھیں تو یہ اسکے اولیں مطالبات میں سے تھا کہ مرد و عورت میں مساوات ہو، عورت کو سیاسی اور مُلکی حقوق.....

رضیہ نے یہ کہتے ہوئے اسکی بات کاٹی:

—— ہاں اس وقت میں غلطی پر تھی۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ بیرونِ خانہ کی تمام ذمّہ داریاں صرف مردوں کے ذمّہ ہونی چاہئیں۔ وہی اس کے زیادہ لائق اور اہل ہیں، اُن ہی کا یہ فرض ہے کہ معاش و سیاست کے مسائل حل کریں۔ ہمیں اپنے آپ کو اور اپنی بیٹی پوتیوں کو اس ظلمِ عظیم سے بچانا ہوگا ورنہ وہ صدیوں اسی بوجھ تلے دبی رہیں گی۔

نسیمہ اور بھی حیران و پریشان ہوئی، وہ اسکے ان خیالات کا اصل سبب معلوم کرنے کے لئے بے چین تھی۔ پوچھنے لگی،

—— بتاؤ تو سہی، یہ گمراہ خیالات تم کہاں سے لے آئیں؟

پھر جواب کا انتظار کئے بغیر نجمہ کی طرف دیکھا جیسے اصل چور پکڑ لیا ہو، کہنے لگی:

—— ہاں!..... اب مجھے معلوم ہو گیا۔ یہ ساری کارستانی نجمہ کی ہے۔ یہ تمام دقیانوسی خیالات اسی نے تمہارے دماغ میں ٹھونسے ہیں۔..... لیکن آخر کیوں؟ حالانکہ وہ اِن حقوق کے مطالبہ میں تم سے پیش پیش تھیں۔

—— نجمہ نے اسکے ٹھٹھے مذاق کی طرف کچھ دھیان نہ دیا۔ اس کی آنکھوں کی حرکات سے نسیمہ کا گمان اور بھی مضبوط ہو گیا اور وہ اس مسئلہ کو بہت اہمیت دینے لگی۔ اس نے گھبراہٹ اور حیرانی کے ملے جلے انداز میں اپنی بہن سے پوچھا:

—— نجمہ! آخر تمہیں کس نے اِن باتوں پر آمادہ کیا ہے؟ ہمیں اپنے اِن خیالات کے کچھ اسباب بھی تو بتاؤ، شاید اس طرح ہم تمہارے نظریات کی درستی کے قائل ہو سکیں۔ نجمہ اسکے قریب ہوئی اور بولی:

—— لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے!..... وہ یہ کہ تم میری تمام گفتگو توجہ سے سُنو اور کسی قسم کا مذاق اور ٹھٹھا نہ اڑاؤ،

نہ کوئی بات کا تو۔

جب وہ اس بات پر راضی ہو گئی تو نجمہ نے کہنا شروع کیا:

—— یہ بالکل ٹھیک ہے، میں اس سے قطعاً انکار نہیں کرتی کہ پہلے میں زندگی کے تمام شعبوں میں عورت و مرد کی مساوات کی قائل تھی۔ ان کو مردوں کے برابر سیاسی حقوق دلانا بھی میرا نصب العین تھا لیکن یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے تھا کہ میں یہ سمجھتی تھی کہ حقوقِ نسواں سے متعلق یہ مطالبہ اسلام کے عین مطابق ہے اور اسلام نے مرد و عورت دونوں کو زندگی کے تمام کاموں میں برابر کی حیثیت دی ہے۔

لیکن جب میں نے اس کے متعلق کتابوں کا مطالعہ کیا اور اسلام کے معاشرتی نظام کو سمجھنا شروع کیا تو اس کا سب سے بڑا اصول یہ پایا کہ عورت اجنبی مرد سے کسی صورت میں نہیں مل سکتی، ان کا آزادانہ اختلاط اسکی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔

میں اس تناقض اور تضاد کو دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ایک طرف تو اسلام عورت و مرد کی مساوات کا علمبردار ہے اور دوسری طرف انہیں باہم ملنے بھی نہیں دیتا۔ آخر اسکے کیا معنی ہیں۔ ایک صحیح دین کی شریعت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس میں دو متضاد احکام موجود ہوں، وہ عورت و مرد کو باہم ملنے سے بھی منع کرتا ہو اور اسکے برعکس عورت مرد کے ساتھ زندگی کے مشاغل میں برابر کی شریک بھی ہو۔

میں نے اس پر بہت غور کیا، لیکن کوئی تسلی بخش جواب ذہن میں نہ آیا۔ مثل مشہور ہے "نیم حکیم خطرۂ جان، نیم مُلّا خطرۂ ایمان"۔

آخر میں نے اپنا یہ اشکال اُستاد صاحب کے سامنے پیش کیا، انہوں نے یہ مسئلہ بالکل صاف کر دیا۔ فرمانے لگے کہ عورت کے مابین جس مساوات کا اسلام داعی ہے اس کے یہ معنٰی نہیں کہ جو کام مرد کرتا ہے وہی عورت کرے یا جن امور کو عورت سرانجام دیتی ہے وہ مرد بھی سرانجام دے۔ بلکہ اسکے نزدیک مساوات یہ ہے کہ ان کو اپنے اپنے دائرے میں پورے پورے حقوق حاصل ہوں، معاملات میں کسی قِسم کی حق تلفی نہ ہو۔ عورت کو بالکل گری پڑی چیز یا مویشی نہ سمجھ لیا جائے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں قاعدہ تھا۔

اسکے بعد انہوں نے مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

لیکن جب اس نے مرد کے ذمّہ یہ فرض عائد کیا کہ وہ عورت کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ نیز اس کے ذمّہ بیوی کا خرچ اُٹھانا، اس کی ہر طرح دیکھ بھال کرنا اور آداب و اخلاق سکھانا رکھا تو اسکے ساتھ ہی ساتھ عورت کو حکم دیا کہ وہ جائز امور میں اپنے خاوند کا کہا مانے"۔

اگرچہ ان کے اس جواب سے میرے تمام شکوک و شبہات رفع ہو گئے لیکن مجھ جیسی لڑکی کے لئے جو بچپن سے عورت و مرد کی غلط مساوات کی قائل رہی ہو یہ جواب کافی نہ تھا۔ چنانچہ میں نے ان سے مزید معلومات کے لئے پوچھا کہ وہ کون کون سے کام ہیں جن کے لئے ہر عورت و مرد اس دنیا میں مکلّف ہے۔ انہوں نے فوراً ہی بتایا کہ اس دنیا میں عورت کے الگ کام ہیں اور مرد کے لئے الگ۔ ان دونوں جنسوں کے کاموں کو یکجا نہیں کر سکتے، البتہ آخرت سے متعلق امور میں یہ دونوں مشترک ہیں کیونکہ وہاں کی زندگی یا تو جنت ہے یا جہنم اور اس کے لئے عورت و مرد دونوں کو خدا کی بندگی

اور اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔

لیکن دنیاوی زندگی چونکہ بہت وسیع اور مختلف شعبوں میں بٹی ہوئی ہے، اس کے تقاضے اور مطالبات الگ الگ اقسام کے ہیں، اور یہ دو بڑے حصوں میں بٹی ہوئی ہے ایک داخلی یا گھریلو زندگی اور دوسری خارجی یا کاروباری زندگی۔ لہٰذا اسکے مختلف کاموں کے لئے عورت و مرد کی ذمہ داریوں کو الگ الگ بانٹنا پڑا۔ تاکہ دونوں جنس ایک دوسرے سے تعاون اور اشتراک کر کے زندگی کی گاڑی کو چلا سکیں۔

پھر استاد صاحب نے حسبِ عادت اس کی اور توضیح کی۔ فرمانے لگے "اب سوال یہ آتا ہے کہ زندگی کا کونسا شعبہ کس کو دیا جائے۔ تو چونکہ عورت پیدائشی طور پر مرد کی نسبت جسم، عقل اور قوت کے لحاظ سے کمزور ہے اور اس کی فطرت میں نرمی اور کمزوری پائی جاتی ہے لہٰذا اس کو بیرونِ خانہ کے ذمہ دارانہ پُرخطر اور محنت طلب کام نہیں سونپے گئے جو یقیناً اس کی طاقت سے باہر ہیں ــــ لیکن اندرونِ خانہ کے کام اگرچہ کتنے ہی زیادہ اور ذمہ دارانہ ہوں لیکن پھر بھی اس کی نسوانیت کا لحاظ رکھتے ہوئے بیرونِ خانہ کے کاموں سے سہل اور آسان ہیں۔ اور اس کی فطرت کے بھی مطابق ہیں۔ اس کی عزت اور شرافت اسی طرح قائم رہ سکتی ہے کہ وہ گھر بار کا کام سنبھالے اور اپنے بچوں کی پرورش کرے اور اس کا خاوند اس کی اور بچوں کی روزی تلاش کرے۔ خدا کا عدل بس اسی طرح قائم ہو کہ جس لائق ہو اس کو وہی کام دیا جائے۔

یہ کہہ کر جب استاد صاحب نے بات ختم کی تو میں بہت افسردہ اور غمگین ہوئی کہ دیکھو آج کل عورت پر کتنا ظلم و ستم ہو رہا ہے۔ اس کو کس طرح تیلی کا بیل بنا رکھا ہے"۔

نجمہ کے بات ختم کرتے ہی نسیمہ پر خاموشی چھا گئی اور وہ چائے بنانے میں مشغول ہو گئی۔ خاموش اس لئے تھی کہ اب وہ اپنی گمراہی سے باز آنا نہیں چاہتی تھی لیکن رضیہ کو جیسے ہی عورت کی اسلام میں حیثیت اور دُنیا میں اس کا مقام و منصب معلوم ہوا وہ فوراً چونک پڑی، اُسے اس صنفِ مظلوم پر بڑا ترس آیا۔ نہایت افسوس اور ہمدردی کے لہجہ میں کہنے لگی:

ــــ آہ بیچاری عورت! اس پر دو کاموں کا بوجھ ڈالکر کتنا ظلم کیا گیا ہے ...... ایک تو اس کا اصلی کام جو نسوانیت کے دائرہ میں ہے اور دوسرا وہ جو اس نے مَردوں کے ساتھ شریک ہو کر اپنے سر تھوپ لیا ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے عورت کو اسی جہنم میں دھکیلا جا رہا ہے جس میں وہ اسلام آنے سے قبل پڑی ہوئی تھی۔

پھر نسیمہ کی طرف مخاطب ہو کر بولی:

ــــ دیکھا نسیمہ! تم کالج چھوڑنے کے بارے میں مجھ سے کتنی جھگڑتی تھیں، اور آزادئ نسواں کا کتنا شور مچاتی تھیں؟

جب نسیمہ نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

ــــ نسیمہ! اب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ چُپ کیوں ہو؟ ابھی ایک منٹ پہلے تو مجھے اور نجمہ کو رجعت پسندانہ اور دقیانوسی خیالات کا حامل بنا رہی تھیں! ..... اگر رجعت پسندی

تمہارے نزدیک اسی کا نام ہے کہ انسان حق کی طرف رجوع ہو جائے اور عورت کو انصاف دلائے تو میں ایسی رجعت پسندی پر فخر کرتی ہوں۔

لیکن پھر بھی نسیمہ اسی طرح چائے وغیرہ میں مشغول رہی۔ اس نے ان دونوں کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ یہ دیکھ کر رضیہ نے بھی اس کو چھوڑ دیا اور نجمہ سے پوچھنے لگی:

—— نجمہ! یہ تو بتاؤ کہ اس ظلم و ستم کا اصل ذمہ دار کون ہے؟ مرد یا عورت؟ نجمہ تھوڑی دیر چپ رہی پھر سر اٹھا کر بولی:

—— میرا خیال ہے کہ عورت نے یہ ظلم خود اپنے ہاتھوں مول لیا ہے، کیونکہ یہ دین سے ناواقف رہی، اپنے حقوق و فرائض معلوم نہ کئے، جن سے یہ اپنا منصب اور مقام پہچان لیتی اور اس طرح ظلم و ستم کا شکار نہ بنتی۔

اور جہاں تک مردوں کا تعلق ہے میرے خیال میں وہ بھی اس بارے میں ماخوذ ہوں گے (خواہ وہ والد ہوں یا بیٹے، خاوند ہوں یا بھائی) کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں جو فرض ان پر عائد کیا ہے اس کو پوری طرح ادا نہ کیا۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (مرد عورتوں کے نگراں اور سرپرست ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس لئے بھی کہ وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں) لیکن آج کل مردوں نے ان کو روزی تلاش کرنے کے لئے بازاروں اور دفتروں میں چھوڑ رکھا ہے، حالانکہ یہ خود ان کا کام تھا

اب وہ مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہیں اور ان کے لئے فتنہ کا باعث بنتی ہیں۔ اس صورت میں بتائیے کہ ان مردوں نے آخر کونسی سرپرستی کا حق ادا کیا؟ پھر اس نے باغیچہ کے احاطہ میں سے باہر راستہ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ساحل کا راستہ آنے جانے والے مرد عورتوں سے پُر ہے ...... یہ اُس کے ساتھ چلا جا رہا ہے، وہ اپنی بیوی کا دوست احباب سے تعارف کرا رہا ہے، کچھ نوجوان مرد عورتیں اُدھر کھڑے ہنسی مذاق کر رہے ہیں —— یہ مناظر دیکھ کر اس نے ادھر اشارہ کیا اور گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:

—— اس آدمی کو دیکھو جو اس عورت کے ساتھ جا رہا ہے۔ یہ شخص اپنا سب بدن ڈھانکے ہوئے ہے، صرف چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوئے ہیں ...... لیکن اسکے ساتھ والی عورت کا صرف تھوڑا سا حصہ پوشیدہ ہے باقی عریاں ہے ......

اب ذرا اس آدمی کو دیکھو جو اپنے دوستوں سے اپنی بیوی کا تعارف کرا رہا ہے، اس کی بیوی کس قدر برہنہ لباس میں ہے۔

کیا اس سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ مرد پر اس چیز کی کتنی ذمہ داری ہے؟ اور اسکے ساتھ ہی عورت بھی اپنی جگہ ماخوذ ہوگی۔ يَوْمَ يَاْتِىْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (جس دن ہر شخص اپنے لئے لڑتا جھگڑتا آئیگا اور اس روز ہر ایک کو اسکے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا)

اتنے میں اُدھر سے حسن اور سمیع بھی آ گئے۔ انہوں نے نجمہ کی گفتگو کا صرف آخری حصہ سنا۔ اس وقت وہ گھریلو لباس پہنے تھے۔ سلام کرنے کے بعد ان کے پاس وہیں بیٹھ گئے۔ حسن نے نجمہ سے کہا:

—— کیا عورت کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے؟ لیکن یہ بھی تو قابلِ دریافت ہے کہ آخر اس ظلم و ستم کا باعث کون ہے۔

رضیہ نے اس سے پوچھا:

—— اچھا آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

حسن ٹھیک طرح ہو کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا:

—— میں اس بارے میں نجمہ کی تائید کرتا ہوں کہ اس ظلم کا ذمہ دار مرد ہے۔ عورت کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ وہ اگر باہر نکلتی اور مردوں کے ساتھ کام کرتی ہیں تو اپنے خاوندوں کی رضامندی سے۔ اگر ان کو مردوں سے متعلق علوم کی تعلیم نہ دی جاتی، بلکہ گھر بار سنبھالنے اور نسوانی ضروریات کی تعلیم دی جاتی تو آج یہ اس طرح مردوں کے میدانِ عمل میں مقابلہ اور ریس کے لئے ہرگز نہ نکلتیں، بلکہ اس کا خیال بھی دل میں نہ لاتیں۔

پھر اس نے سمندر کی طرف دیکھا، وہ ابھی تک نہانے والے مرد و عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"اگر یہ سب عورتیں اپنے ان خاوندوں سے کچھ اخلاق کی باتیں سیکھتیں، ان کو اس طرح آزادی سے پھرنے سے روکا جاتا اور عریانی کے خلاف قدم اٹھایا جاتا تو یہ آج اس طرح اپنے بدن کی ساحلوں پر بدتہذیبی سے نمائش کرتی نہ پھرتیں نہ بازاروں میں بنی ٹھنی پھرتیں، اور نہ مردوں کے ساتھ محفلوں اور جلسوں میں اس بے حیائی سے شریک ہوتیں۔

جیسے ہی اس نے گفتگو ختم کی سمیع چائے کے بسکٹ کھانے لگا۔ وہ اپنے بھائی کی باتوں سے اکتایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ وہ عجیب عجیب حرکتیں کر کے اس کی باتوں کی نقل اتار رہا تھا۔ رضیہ نے جب اس کو اس طرح کرتے دیکھا تو اس کی رائے بھی معلوم کی۔ رضیہ کا سوال سنکر وہ فوراً ٹھیک ہو بیٹھا اور گھبراہٹ میں جلدی سے مُنہ کا نوالہ نگلا اور کہنے لگا:

—— کیا خاص میری رائے معلوم کر رہی ہو؟

پھر تھوڑی دیر چپ رہا اور اپنے بھائی کی طرف دیکھنے لگا جیسے اس سے اپنی رائے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہو۔ آخر جرأت کر کے بولا:

—— میں اپنے بھائی کی ہر بات کی تائید کرتا ہوں —— لیکن اس میں ایک بات ہے وہ یہ کہ اس طرح ہم صنفِ نازک کے نظارے اور اس کے حُسن کی دلفریبی و لطف اندوزی سے محروم رہ جائیں گے۔ ان کی سُریلی آواز سے کان محظوظ نہ ہو سکیں گے اور نہ ہم ان کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر سکیں گے .... اور میں ان چیزوں کے بغیر زندگی بسر کرنے کا عادی نہیں، مجھ جیسا کمزور آدمی کبھی بھی اس پابندی کو برداشت نہیں کر سکتا۔

وہ گفتگو کرتے وقت کچھ ایسی غیر اختیاری حرکتیں کر رہا تھا جس سے اس کا دیوانہ پن دکھائی دیتا تھا۔ وہ بس

بشیر محمد۔ طابع و ناشر نے مشہور آفسٹ لیتھو پریس کراچی میں طبع کرا کر، دفتر "تذکرہ" آرام باغ کراچی سے شائع کیا۔

انہی باتوں میں مست تھا۔

سب لڑکیاں اس کی ان حرکتوں پر ہنس رہی تھیں —لیکن حسن اس کو حقارت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

اتنی دیر میں کہیں سے اذان کی آواز گونجی، مغرب کا وقت تھا۔ حسن، اس کی منگیتر رضیہ اور اس کی بہن نجمہ نے باغ میں ایک ساتھ نماز ادا کی اور اُدھر سمیع اور نسیمہ چائے بسکٹ کھانے میں مشغول تھے۔

ابھی انہوں نے نماز ختم کی تھی کہ کہیں دُور سے کسی کے پُکارنے کی آواز آئی۔ نجمہ نے پہچان لیا کہ یہ اس کے خاوند کی آواز ہے۔ اس نے اپنی باریک آواز میں زور سے چیخ کر کہا:

— اِدھر...... محسن اِدھر ہیں ہم!

محسن آ گیا، سب کو سلام کر کے اپنی بیوی کے پاس بیٹھ گیا...... کچھ دیر بعد زینت بیگم اور مسرت بیگم بھی آ گئیں۔ یہ سب کے سب کافی رات تک وہیں باغ میں چاند کی روشنی میں بیٹھے رہے۔

"نجمہ" کی پندرھویں قسط...... ماہ اگست کے "تذکرہ" میں ملاحظہ فرمایئے ؏

TAZKERAH

Regd. No. S-1733

ماہوار رسالہ تذکرہ آرام باغ کراچی